بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فَاسْتَجَبْنَا لَہٗ ۙ وَ نَجَّیْنٰہُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَ کَذٰلِکَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ ٥

(ترجمہ از بیان القران) سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو اس گھٹن سے نجات دی اور ہم اسی طرح

(اور) ایمان والوں کو (بھی کرب و بلا سے) نجات دیا کرتے ہیں (الانبیاء آیت نمبر ۸۸)

ماہنامہ

راہِ نجات

بارہمولہ کشمیر

جلد نمبر ۱ شمارہ نمبر ۶ بابت ماہِ جون سنہ ۲۰۱۲ء

سرپرست

عاصیؔ غلام نبی وانی

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر، اونر

منیر احمد وانی

اس شمارے میں

نمبر شمار	مضامین	مضامین نگار	صفحہ نمبر
۱	اداریہ	مدیر	۳
۲	کشمیر اور اسلام	عاصیؔ غلام نبی وانی	۵
۳	شاہ ہمدان ایک وسیع المشرب داعی	سالکؔ بلال	۴۹
۴	شرعی اور فقہی اصطلاحات کی وضاحت سوال و جواب کی روشنی میں	عاصیؔ غلام نبی وانی	۵۴
۵	درس مثنوی	عاصیؔ غلام نبی وانی	۵۷
۶	امین الدین شجاع الدین ”ملنے کے نہیں نایاب ہیں جو“	مولانا طالب بشیر ندوی	۶۱
۷	آپکے مکتوبات بنام راہِ نجات	خالقؔ پرویز	۶۳

نوٹ

مدیر کا کسی بھی مقالہ نگاروں کی ہر بات سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

Editor ,Printer ,Publisher & Owner =Muneer Ahmad Wani

Printed at :Universal Press Baramulla Near Cement Bridge Baramulla

Published from:Baramulla

اداریہ

تاریخ نویسی پر کوئی کتاب حرف آخر نہیں ہوسکتی ۔اور کوئی بھی تاریخی کتاب خطا ولغزش کے امکان سے مبرا نہیں ہوسکتی ۔سہو ونسیان کو ایک طرف چھوڑ کر تاریخ نویسی کی اہمیت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا جو قوم اپنی تاریخ سے نابلد ہو اس کو کسی صورت میں ایک دانشمند اور مہذب قوم قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ’’راہِ نجات‘‘ پانے کے لئے اللہ رب العزت نہیں نے بھی قرآن کریم میں پیغمبروں کے قصے بیان فرمائے ہیں اور ان کو احسن القصص بھی فرمایا ہے۔علامہ اقبالؒ کا ایک قیمتی شعر اس جگہ نقل کرنا موزون رہے گا جو اس طرح ہے ؎

یاد عہد رفتہ میری خاک کو اکسیر ہے ☆ میرا ماضی میرے استقبال کی تفسیر ہے

تشریح:۔علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ گذرے ہوئے زمانے کی یاد کو تازہ کرنا میری خاک (مٹی) کو اکسیر (موثر دوا) ہے۔میرا گذرا ہوا زمانہ میرے مستقبل کی تابناکی کے لئے ایک بہترین شرح ہے

یہ انتہائی افسوس ناک بات ہے کہ نئی نسل کو اپنی تاریخ سے آگاہ کرنے کے لئے ہمارے یہاں کوئی مقررہ **(prescribed)** نصاب نہیں ہے ۔سرکاری مدارس میں اپنی مصلحت اندیشی **(policy)** کے تحت تاریخی نصاب مرتب کیا جاتا ہے جس کا نتیجہ آج ہمارے سامنے ہے کہ ہمارے بچوں کو ایران و توران کی باتیں تو خوب یاد ہیں لیکن مقامی تاریخ سے وہ بلکل نابلد **(ignorant)** اور بے خبر ہیں۔آج ایرا غیرا نتھو خیرا **(Scum of Society)** تو زبان زد عام ہے لیکن جس سمندر سے یہ جھاگ نمودار ہوتا ہے اُس کے متعلق ہمارے طالب علم بے خبر ہیں ۔علامہ اقبالؒ نے ہمیں اس طرح اس کا احساس دلایا تھا کہ ؎

تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوش محبت میں ☆ کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاج سرِ دارا (اقبالؒ)

ہمارے آباء وجداد سراسر کردار تھے اور ہم گفتار ہیں۔وہ متحرک تھے اور ہم منجمد ہیں۔

تجھے آباء سے اپنے نسبت ہو نہیں سکتی ☆ کہ تو گفتار وہ کردار تو ثابت وہ سیارا (اقبالؒ)

مجھے اپنی دوستوں کے ساتھ نشست و برخاست کا جب موقع ملتا ہے تو خون کے آنسوں بہانے پڑتے ہیں کہ عمران خان اور موہن بھگان کا تو خوب تعارف ہے لیکن محمد بن قاسمؒ اور محمود غزنوی کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں ۔اسی ضرورت کے پیش نظر میں نے اپنے والد صاحب سے گذارش کی کہ وہ مہربانی کر کے ’’راہِ نجات‘‘ کے اس ابتدائی دور میں ہی کشمیر کی اسلامی تاریخ کے متعلق کچھ قلمبند کریں ۔جو غالبًا

عشق کے دردمند دلوں کے لئے کچھ سکون کا سامان فراہم کر سکے ۔امید ہے کہ اہل ذوق اور اہل دل ہماری اس حقیر سی کوشش کو پسند دیدہ نگاہوں سے دیکھیں گے اور اللہ کے دربار میں اس کی قبولیت کے لئے دعا کریں گے۔

مدیر

محمد بن قاسمؒ سے لیکر ڈوگرہ عہد تک کا اجمالی خاکہ

نمبر شمار	تفصیل ادوار	کب سے	کب تک	نام عہد
۱	کشمیر میں اسلام کا پہلا تعارفی دور	۹۳ھ	۳۹۸ھ	اس دور میں حامیم آیا اور مسلمان تاجر آتے رہے
۲	کشمیر میں اسلام کا دوسرا دور	۳۹۸ھ	۷۲۵ھ	اس دور میں سلطان محمود دو دفعہ کشمیر آیا
۳	کشمیر میں اسلام کا تیسرا دور	۷۲۵ھ	۷۲۷ھ	دور رینچن یا صدرالدین (۲ سال)
۴	کشمیر میں اسلام کا چوتھا دور	۷۴۳ھ	۹۶۲ھ	شاہ میری سلاطین کا عہد (۲۱۹ سال)
۵	کشمیر میں اسلام کا پانچواں دور	۹۶۲ھ	۹۹۲ھ	چک سلاطین کا عہد (۳۰ سال)
۶	کشمیر میں اسلام کا چھٹا دور	۹۹۴ھ	۱۱۶۶ھ	مغل سلاطین کا عہد (۱۷۲ سال)
۷	کشمیر میں اسلام کا ساتواں دور	۱۱۶۶ھ	۱۲۳۴ھ	افغان عہد (۶۸ سال)
۸	مسلمانوں کی محکومی کا پہلا دور	۱۲۳۴ھ	۱۲۶۲ھ	سکھوں کا عہد (۲۸ سال)
۹	مسلمانوں کی محکومی کا دوسرا دور	۱۲۶۳ھ	۱۳۶۵ھ	ڈوگرا عہد (۱۰۲ سال)
۱۰	موجودہ دور	۱۳۶۵ھ	تا حال	موجودہ عہد

﴿کشمیر اور اسلام﴾

(از عاصی غلام نبی وانی ایم۔اے فارسی، عربی کشمیر یونیورسٹی)

کشمیر میں اسلام کا دورِ اوّل

(ملک کشمیر میں اسلام کی آواز پہلی صدی میں)

مورخ کشمیر حسن شاہ صاحب میں اپنی کتاب تاریخ حسن میں لکھا ہے کہ سنہ ہجری کا آغاز اس وقت ہوا جب کشمیر میں راجہ درلب وردن حکومت کرتا تھا۔تاریخی حقائق سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔کیونکہ محمد بن قاسم نے ۹۳ھ میں سندھ کو فتح کیا۔راجہ داہر مارا گیا۔محمد بن قاسم اس کے بیٹے کے تعاقب میں تھا کہ وہ کشمیر کی طرف بھاگ کر آیا۔اس کے ساتھ ایک مسلمان بھی تھا جس کا نام حانم یا حامیم تھا۔راجہ کے بیٹے کا نام جیسیا تھا۔حامیم عرب کے علاقائی قبیلے کا ایک شخص تھا اور جیسیا کی فوج میں کام کرتا تھا۔جیسیا نے کشمیر کے بادشاہ کے نام خط لکھا اور صورت حال سے آگاہ کرنے کے بعد اس سے مدد کی درخواست کی۔بادشاہ کی راجدھانی پہاڑوں کے درمیان تھی۔وہ خط جب بادشاہ کے سامنے پڑھا گیا تو فوراً حکم دیا کہ کشمیر کے ماتحت علاقوں میں سے شاکل ہا نامی علاقہ (موجودہ سیالکوٹ) جیسیا کو دیا جانا چاہئے۔کشمیر کے بادشاہ نے جیسیا کو اور بھی کچھ تحفے روانہ کئے اور دیگر انعامات سے بھی نوازا جس میں پچاس گھوڑے مع زین کے اور دو سو شاہانہ خلعت (Princely award) تھے۔جیسیا اس وقت جے پور کے علاقہ جنگن میں تھا۔اُس نے فوراً شام کے باشندے حامیم بن سما کو شاکل ہا (موجودہ سیالکوٹ) روانہ کیا اور جب دوسری مرتبہ جیسیا کشمیر پہنچا تو اس کو راجہ کی طرف سے کافی عزت واحترام کیا گیا۔اس موقعہ پر اس کو بادشاہ کی طرف سے ایک چھتری اور ایک کرسی بھی عطا کی گئی اور اس مرتبہ شامی باشندہ حامیم بن سما بھی جیسیا کے ساتھ تھا۔کچھ عرصہ کے بعد ہی راجہ جیسیا شاکل ہا (سیالکوٹ) میں مرگیا تو سما کا بیٹا حامیم اس کا جانشین بن گیا اور اس نے اس جگہ ایک مسجد تعمیر کروائی۔حامیم کو کشمیر کے بادشاہ کے دربار میں کافی عزت واحترام کیا جاتا تھا۔یہ ساری باتیں ایک تاریخی کتاب چچ نامہ سے ماخوذ ہیں ۔چچ نامہ بنیادی طور پر پہلی صدی ہجری (ساتویں صدی عیسوی) کے اندر سندوہند، دیبل، ملتان اور ساہی وال کی تاریخ ہے۔مگر اس کے ساتھ کسی کسی جگہ کشمیر کے سیاسی اور جغرافیائی حالات کی جانکاری

بھی ہوتی ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن قاسم اور اس کے رفقاء پہلی صدی ہجری کے ختم ہونے سے پہلے کشمیر سے واقف ہی نہیں تھے۔بلکہ کچھ عرب باشندے جن میں شام کا حمیم بن سما بھی ہے خاص طور سے قابل ذکر ہے کشمیر کے حدود میں پہنچ گئے۔چچ نامہ اس بات کی بھی دلالت کرتا ہے کہ آٹھویں صدی کے آغاز میں کشمیری سلطنت کی سرحدیں جالندھر اور ننکانہ کے پہاڑوں لالہ موسیٰ اور کھیواڑ کے ساتھ ملی ہوئی تھیں۔اس لحاظ سے کشمیر کے متعلق ایک تاریخی ماخذ ہونے میں چچ نامہ بھی ایک بنیادی اور تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔واقعات اور تاریخی شہادت کی روشنی میں ظاہر ہوجاتا ہے کہ چچ نامہ ابتدائی طور عربی زبان میں ہی تھا لیکن یہ معلوم نہیں کہ کتاب تصنیف کرنے کی اصل تاریخ کیا ہے۔اور کسی مورخ نے عربی مصنف کی نشاندہی نہیں کی ہے۔لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ چچ نامہ عربی زبان سے فارسی زبان میں محمد علی بن حامد بن ابی بکر کوفی کے ذریعے اس وقت ترجمہ کیا گیا جب ہندوستان میں نصیر الدین قباچہ حکومت کرتا تھا۔نصیر الدین قباچہ سلطان شمس الدین کے زمانہ میں سند اور ملتان کا گورنر تھا ۔جس کا دورِ حکومت ۱۲۱۱ء سے ۱۲۳۶ء تک ہے۔ترجمہ کار اگرچہ اپنی اصل کے اعتبار سے کوفہ شہر کا باشندہ تھا جو قرونِ وسطیٰ میں عراق کے شہروں میں ایک معروف شہر مانا جاتا تھا لیکن حالات کی مجبوری کی وجہ سے وہ سندھ کے اُچے شہر میں آباد ہوا تھا۔اور پھر اسی جگہ چچ نامہ اپنی ۵۸ سالہ عمر میں ۶۱۳ھ مطابق ۱۲۱۶ء عربی سے فارسی زبان میں منتقل کیا۔اس لحاظ سے ترجمہ کار ۵۵۵ھ مطابق ۱۱۶۰ء میں پیدا ہوا ہے۔اس تاریخی کتاب کا نام چچ نامہ کیوں ہے اس کے متعلق تاریخ سے یہ پتا چلتا ہے کہ اسلامی قبضہ سے پہلے سندھ اور ملتان پر چچ بادشاہ کی عملداری تھی اور چچ نامہ عام طور پر اس کارنامے یا تاریخ کا نام ہے جس کے اندر سلائج کے بیٹے چچ کے غصب ہونے کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔اس کے علاوہ اس کتاب میں پہلی صدی ہجری میں ان اسلامی فتوحات کا تذکرہ ہے جو عرب اور خاص کر محمد بن قاسم اور اس کے غضب ناک فوج کو راجہ داہر اور اس کے عزیز واقارب پر حاصل ہوا۔اس لحاظ سے چچ نامہ کا ایک مشہور نام ''کتاب الفتح'' (فارسی فتح نامہ) بھی ہے۔چچ نامہ کے مطابق چچ سنسکرت زبان کا بہت بڑا عالم وفاضل تھا۔بڑا شیرین کلام اور خوبصورت تھا۔راجہ کی بیوی اس کی خوبصورتی پر عاشق ہوگئی۔آخرکار راجہ کے مرنے کے بعد اس نے چچ کے ساتھ شادی کی ان حالات کے بیان کے بعد چچ نامہ میں ان حالات کی تفصیل ہے۔جس کی وجہ سے عرب کے مسلمان محمد بن قاسمؒ کی سرکردگی میں

پہلی صدی ہجری کے آخری حصہ میں لگاتار فتوحات کی وجہ سے سند کے حکمران بن گئے۔اس تاریخ سے اس بات کا اشارہ بھی ملتا ہے کہ جب حامیم نے بھی سنا کہ محمد بن قاسم حملہ کے ارادہ سے نکلا ہے تو اس نے کشمیر جانے کا فیصلہ کیا۔شاید وہ بذاتِ خود بھی محمد بن قاسم کی فوج کے ساتھ لڑنا نہیں چاہتا تھا اور کسی محفوظ جگہ کی تلاش میں تھا اور اس دور میں کشمیر سے زیادہ کوئی محفوظ جگہ نہیں تھی۔لیکن راجہ جیسیا کو اس کے ساتھ گہری دوستی تھی اور وہ اس کی فوج میں ایک اہم شخصیت تھی لہذا جیسیا بذاتِ خود اس کی رفاقت سے ہاتھ نہیں دھونا چاہتا تھا۔حامیم کا مقام جیسیا اور کشمیر کے راجہ کے پاس بہت بڑا تھا کیونکہ اسی کتاب میں لکھا ہے کہ دوسری دفعہ کی ملاقات کے وقت راجہ جیسیا کے ساتھ حمیم بھی تھا اور حامیم نام کے اس مسلمان کو کشمیر کے بادشاہ کے دربار میں عزت اور احترام کیا جاتا تھا۔جس وقت عربی چچ نامہ تصنیف ہوا ہے مصنف نے لکھا ہے کہ اس وقت بھی حمیم کی اولاد وہاں یعنی شاکل ہا (سیا کوٹ) میں موجود ہے۔مولانا عبدالکبیر صاحب نے اورادفتحیہ کے شرح کے ابتدائی صفحات پر لکھا ہے کہ حامیم بہت زیرک اور صاحب دماغ آدمی تھا۔اس نے بہت سے ایسے کارہائے نمایاں انجام دئے جن کی بدولت وہ راجہ کے ہاں عزیز ہوا اور دربار میں داخل ہوا۔بتایا جاتا ہے کہ اس نے اپنے ملنے جلنے والوں کو اسلامی عقائد سے آگاہ کیا اور کئی لوگوں نے اسلامی عقائد اختیار کئے۔اس بات کی تصدیق مارکو پولو کے بیان سے بھی ہوتی ہے جو ایک عیسائی تھا اور اٹلی کا باشندہ تھا وہ اپنے سفرنامے میں لکھتا ہے کہ آٹھویں صدی عیسوی میں کشمیر کے اطراف واکناف میں بہت سے قبائلوں نے بدھ مت کو چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا تھا یہ لوگ اچھے خاصے تاجر تھے اور یہ ۱۱۹ھ یعنی ۷۳۷ء کا واقعہ ہے۔

اس خاصی تفصیل کے بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ حُمیم کی یہ بناء کردہ مسجد کشمیر کی قلمرو (Jurisdiction) میں پہلا مرکز اور پہلا واحد معبد تھا اور حمیم کا بادشاہ کے دربار میں جے سیا کے ساتھ آنا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ توحید کی امانت سینوں میں لئے ہوئے لوگوں کی آمدورفت اور ان کے مبارک قدم پہلی صدی ہجری میں ہی اس سرزمین پر پڑھ چکے تھے۔اس پورے واقعہ کو احقر نے ایک نظم کی شکل میں پرویا ہے جس طرح تاریخ اقوام کشمیر میں فوق صاحب نے سید شرف الدین اور رینچن شاہ کے اسلام قبول کرنے کے واقعہ اپنی کتاب میں منظوم انداز میں پیش کیا ہے جس کو انشاء اپنے مناسب مقام پر اس رسالے میں جگہ دی جائے گی۔

نظم

اولاً وہ شام کا حامیم جو آیا یہاں ☆ ظلمتوں نے اپنا ڈیرہ ڈال رکھا تھا جہاں
سند کے داہر کا بیٹا ہمسفر تھا آنے میں ☆ ایسی پکی دوستی ملتی عموماً ہے کہاں
ایک مسلم ایک ہندو دونوں اپنے دین پر ☆ ایسا ہو کے بھی یہ الفت دو دلوں میں تھی نہاں
آدمیت احترام آدمی کے جام سے ☆ کس طرح ہم رنگ اور ہم ساز تھے دونوں جوان
بادشاہ وقت نے ہندو کو جو جاگیر دی ☆ مر کے ساری مل گئی حامیم کو سب بیگماں
کیا کیا اس نیک باطن مرد نے اس مل سے ☆ آن واحد میں بنایا اک خدا کا گھر یہاں
سب سے پہلا گھر وہ توحید الٰہی کا یہاں ☆ بے کسی حرب وضرب کے شکر للہ شُد عیاں
اے خدا اس داعی اول پہ رحمت بھیج دے ☆ جس نے ظلمت میں شعائیں نور کی کردی رواں
کر لے تو مقبول یارب محض اپنے فضل سے ☆ یہ عقیدت کی نظم عاصؔی نے جو کی ہے بیان

اسلام کے دور آغاز میں کشمیر کے راجاؤں کی تفصیل

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ۵۷۱ء میں پیدا ہوئے ۶۱۰ء میں چالیس سال کی عمر میں اپنے پیغمبر ہونے کا اعلان کیا اور مکہ میں اسلام کی دعوت کا کام شروع کیا۔تاریخ کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ اس وقت کشمیر میں راجہ بالات حکومت کرتا تھا۔اس راجہ کے ''بعد درلبِ وردن'' کشمیر کا راجہ بن گیا جسکی حکومت ۶۲۷ء سے ۶۶۳ء تک قائم رہی۔اس کے بعد پرتاب پیڑ کی حکومت ۶۶۳ء سے ۷۱۳ء تک رہی۔۷۱۱ء میں مسلمانوں نے محمد بن قاسمؒ کی قیادت میں سندھ کو فتح کیا جس کی سرحدیں کشمیر کے ساتھ ملتی تھیں۔اس دور میں کشمیر کے حکمرانوں کے دور اقتدار کا نقشہ درج ذیل ہے:

نمبر شمار	راجے کا نام	آغاز حکومت	اختتامِ حکومت	کتنے سال حکومت کی
۱	بکرمادت	۵۵۰ء	۵۹۲ء	۴۲سال
۲	بالادت	۵۹۲ء	۶۲۷ء	۳۵سال
۳	درلب وردھن	۶۲۷ء	۶۶۳ء	۳۶سال
۴	پرتاب پیڈ	۶۶۳ء	۷۱۳ء	۵۰سال

جس وقت حضور ﷺ پیدا ہوئے اس وقت کشمیر کا راجہ بکر مادت تھا۔ اعلان نبوت کے وقت بالادت کشمیر کا راجہ تھا درلب وردھن کے زمانے یعنی ۶۲۲ء میں حضور ﷺ نے ہجرت کی اور اس دنیا سے ۱۱ھ ہجری مطابق ۶۳۲ء تشریف لے چلے۔ پرتاب پیڈ کے زمانے میں ۹۳ ہجری مطابق ۷۱۱ء محمد بن قاسمؒ نے سندھ پر حملہ کیا۔ اس وقت مسلمانوں کا خلیفہ ولید بن عبدالملک تھا۔ ۹۵ ہجری میں پرتاب پیڈ مر گیا اور اسی زمانے میں حمیم کے ذریعے اسلام اور توحید کی اذان کشمیر کی قلمرو میں گونجنے لگی۔ لیکن اس وقت سے محمود غزنوی کے حملہ تک کشمیر کے متعلق اسلام کے حوالے سے کوئی تفصیل نہیں ملتی ہے۔ لہٰذا ۹۳ھ سے ۳۹۸ھ تک جس سال سلطان محمود نے ملتان کو فتح کیا کشمیر پر ہندو راجے ہی حکومت کرتے رہے۔

۱ حضور ﷺ ۵۷۱ء میں پیدا ہوئے۔

۲ پیغمبری کا اعلان ۶۱۰ء میں کیا۔

۳ مکہ سے مدینہ کی ہجرت ۶۲۲ء میں ہوئی مطابق ۱ ہجری۔

۴ آپکی وفات ۶۳۲ء میں ہوئی مطابق ۱۱ ہجری۔

کشمیر میں اسلام کے تعارفی دور پر تبصرہ

پیچھے بیان کئے گئے تواریخی حقائق کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ عرب سے نمودار ہونے والے مذہب اسلام نے پہلی صدی ہجری میں ہی کشمیر میں اپنا سایہ ڈالا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ لوگ اس وقت جوق در جوق اسلام میں داخل نہیں ہوئے۔ اسکی چند وجوہات ہیں۔ آج کے سائنسی دور سے صرف نظر کر کے جب ہم اس وقت کے حالات پر نگاہ ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کشمیر اپنی قدرتی جغرافیائی حد بندی کی وجہ سے اسی عالم دنیا میں الگ ایک چھوٹی سی دنیا تھی۔ کیونکہ وادی ہر چہار طرف سے اونچے اونچے پہاڑوں سے حد بستہ ہے۔ ایسے حالات میں بیرونی دنیا کے فاتحین کو جو مشکلات پیش آتی تھیں وہ ایک قدرتی بات تھی۔ اس لئے باہر کے کسی نئے مذہب اور نئے نظریہ کو یہاں پہنچتے پہنچتے کئی دشوار گذار گھاٹیوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ چنانچہ ذوالقدر خان اور اس کی فوج کو ان کشمیری قیدیوں کے ساتھ کون سا واقعہ پیش آیا وہ آگے آنے والے صفحات میں تفصیل کے ساتھ بیان ہوگا۔ لیکن عرب دنیا سے اٹھنے والی ایمانی موجوں نے پھر بھی کسی نہ کسی بہانے سے اپنا راستہ نکالا اور حامیم کی شکل میں یہاں کے رہنے والوں کے کانوں میں توحید کی اذان پہنچا دی۔ خدا کا ارادہ جب کسی کام کے کرنے کا ہوتا ہے تو

اس مالک الملک کے لئے کوئی راستہ نکالنا کون سی دشوار بات ہے۔ اسلام چونکہ پوری انسانیت کا درد اپنے سینے میں لئے ہوئے ہے لہٰذا اس کے لئے دنیا کا کوئی ملک اجنبی نہیں ہے۔ جب اسلامی عقائد، طرز زندگی اور طرز فکر کی لہریں سندھ میں پہنچیں تو یہ کشمیر کی سرحدوں سے بھی ٹکرانے لگیں۔ کشمیر کے کارکوٹ راجہ چندراپیڈ کے عہد میں سب سے پہلے اس نئی رو کا شعور کشمیر کے حکمرانوں کو ہوا اس کے بعد جب راجہ للتا دیتیہ نے تخت کو سنبھالا تو اس نے ان اُٹھنے والی ایمانی لہروں کو محسوس کیا اور ان سے اپنی سلطنت کو محفوظ رکھنے کے لئے چین کے شہنشاہ سے مدد کی درخواست کی۔ کارکوٹ خاندان کے راجوں میں اس کو ایک محفوظ اور طاقت ور حیثیت بھی حاصل ہو چکی تھی۔ اور وسط ایشیا، افغانستان اور ہند کے مغربی علاقوں پر فوج کشی کرتے ہوئے اس ابھرنے والی نئی قوت سے رو در رو ہونے کے مواقع بھی حاصل ہو چکے تھے لیکن اس سب کے باوجود محمد بن قاسمؒ کے زمانے میں سندھ پر مسلمانوں کا تسلط ہو گیا اور عربی فارسی بولنے والوں کی حکومت اس خطہ ارض پر قائم ہوگئی۔ یہاں تک کہ محمد بن قاسمؒ نے ملتان کے راستے سے کشمیر کی طرف بھی بڑھنے کی کوشش کی تھی۔ اور اس زمانے میں یہاں راجہ چندراپیڈ کا راج تھا۔ جس نے اس خطرہ سے نمٹنے کے لئے چین سے بھی مدد لینی چاہی تھی لیکن محمد بن قاسمؒ دمشق طلب کر لئے جانے کی وجہ سے یہ خطرہ ٹل گیا۔ لیکن پھر بھی نئے خیالات اور نئے دین کا پھیلاؤ آسانی سے رک نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ داہر کے بیٹے جیسیا کے ساتھ حامیم کا یہاں آنا اور کشمیر میں اپنا حلقہ احباب پیدا کر لینا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ اس نے یہاں کے حدود میں اسلامی عقائد بھی پھیلانے شروع کر دئے تھے۔ لہٰذا ان حقائق کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کے لئے یہ دور اگر چہ فتوحات کا نہیں تھا لیکن تعارفی (Introductory) ضرور تھا۔

کشمیر میں اسلام کا دوسرا دور

''محمود غزنوی'' (ماخوذ تاریخ حسن سے)

جب سلطان محمود نے ۳۹۸ھ میں ملتان کو فتح کیا تو آنند پال نے محمود سے رخ موڑ لیا تھا۔ اس کو کچھ سبق دینے کے لئے لوفر کیطرف آیا۔ آنند پال نے ہندوستان کے راجوں اور کشمیر کے راجہ سے کچھ مدد مانگی۔ کشمیر کے سنگرام راجہ نے تنگ وزیر کی سرکردگی میں آنند کو مدد کرنے کے لئے بڑی بھاری فوج روانہ کی۔ جب یہ سب راجے پشاور کے میدان میں جمع ہوئے تا کہ سلطان محمود کے فوج کے ساتھ

لڑیں تو وہاں کشت وخون کی وجہ سے شور محشر قائم ہوا۔آخر آنند پال نے اپنی طرف سے ایک وکیل سلطان کے پاس بھیجا تا کہ صلح کریں۔آنند پال کے مرنے کے بعد سلطان محمود پھر پنجاب حاصل کرنے کے لئے آیا۔اور نیلاب دریا کو عبور کر کے نندونہ قلعہ کا گھیرا کیا۔آنند پال کے بیٹے ترلوجن پال کو جب مقابلہ کرنے کی ہمت نہ رہی اپنے باجبروت آدمیوں کو قلعہ میں چھوڑ کر بھاگا اور کشمیر پہنچا۔نندونہ قلعہ سر کرنے کے بعد سلطان نے ترلوچن کا تعاقب کیا اور کشمیر کی طرف اپنا پرچم لیکر عازم ہوا۔جب ترلوچن نے سنا کہ سلطان میرا تعاقب کر رہا ہے تو وہ کشتواڑ اور جموں کی طرف بھاگا۔سلطان اپنی بھاری فوج اور لشکر کے ساتھ کشمیر میں داخل ہوا۔ملا احمد لکھتا ہے کہ اپنے کو ناتواں سمجھ کر اور اپنے میں مقابلہ کی طاقت نہ پا کر سنگرام راجہ بہتر سے بہتر تحائف اور نذرانے لیکر سلطان کے دربار میں آیا۔سلطان محمود نے اس پوچھا کہ تم نے اپنے آپ کو اس قدر پست کیوں کیا؟ راجہ نے جواب میں کہا جو صاحب عزت لوگ ہوتے ہیں وہ اپنے مہمان کی خدمت اور خاطر تواضع کرنا اپنی عزت میں اضافہ اور فخر کرنے کے لائق بات سمجھتے ہیں ۔سلطان محمود یہ جواب سن کر بہت خوش ہوا اور اس راجہ کو قیمتی ملبوسات سے آراستہ کر کے اس کی شان کو دوبالا کیا۔شاہانہ خراج مقرر کرنے کے بعد اس کو کشمیر کی حکومت دی ۔۳۱ دن تک سیر سپاٹا کیا اور چکر لگانے کے بعد جو سونے کا سامان بجبہاڑہ اور پرسپور کے مندروں میں تھا۔سب کو ضبط کیا اور بہت سارے لوگوں کو داخل اسلام کیا سلیمان ٹوپہ (سلیمان ٹینگ) کے مندر میں ظہر کی نماز ادا کی ۔اس کے بعد سنگرام راج کے بیٹے ہری راج کو اپنے ساتھ لیا اور راجوری کے راستے واپس گیا۔

محمود دوسری دفعہ کشمیر میں

غزنین واپس جانے کے بعد ۴۰۹ھ سلطان محمود قنوج شہر حاصل کرنے کے لئے پھر نکلا۔سندھ کو عبور کرنے کے بعد دوبارہ اپنے قلب کو راحت پہنچانے کے لئے اور سیر کرنے کے لئے کشمیر کیطرف آیا ۔سنگرام راجہ دوبارہ پھر قیمتی تحائف لیکر حاضر ہوا۔ایسا کرنے سے سلطان نے پھر اس پر شاہانہ نوازش اور عنایت فرمائی۔ایک ماہ اور نو دن تک سلطان نے کشمیر کا سیر سپاٹا کیا اور ھیرہ پورہ سے اپنی علَم کو بلند کرتے ہوئے واپس چلا گیا۔مطابق حکم سنگرام راجہ بھی فوج کے ساتھ ہم رکاب رہا۔قنوج فتح کرنے کے بعد سنگرام راجہ نے سلطان سے رخصت لے کر اور پھر کشمیر آ کر حکومت کے کاروبار کی لگام ہاتھ میں لی۔

دور غزنوی پر تبصرہ

سلطان محمود ۳۸۷ھ مطابق ۹۹۷ء میں تخت نشین ہوا۔ہندوستان کے راجاؤں نے اس کے باپ سبکتگین کے وقت ہی سے لڑایاں چھیڑی تھیں ۔محمود پر بھی انہوں نے دو مرتبہ یورشیں کی ۔انھیں شکست دے کر محمود نے پچاس برس کی مدت میں پے در پے ہندوستان پر حملے کئے ۔قنوج ،کالنجر ،گوالیار اور متھرا تک پہنچا۔اس کا سب سے بڑا حملہ سومنات (کاٹھیاواڑ) پر تھا۔لیکن پنجاب کے سوا کسی علاقے پر حکومت نہ کی ۔۴۲۱ھ مطابق ۱۰۳۰ء میں فوت ہوا۔اس کے عہد میں غزنہ، جسے عام لوگ غزنی کہتے ہیں،ایشیا کا نہایت عظیم الشان شہر بن گیا تھا۔اور اس کی آبادی پندرہ سولہ میل میں پھیل گئی تھی۔

محمود خود بڑا عالم اور خوش ذوق بادشاہ تھا۔عمر بھر علم وادب کی سرپرستی کرتا رہا۔سامانیوں کے بعد اسی کے عہد میں فارسی ادب نے ترقی کی ۔ابتدائی منزلیں طے کیں ۔فردوسی اور عنصری اس کے درباری شاعر تھے۔البیرونی کو بھی اس نے خوارزم سے بلا کر اپنی سرپرستی میں لے لیا تھا۔تاریخ یمینی کا مصنف العتبی بھی اس کا درباری تھا (صفحہ ۲۱۱ مختصر تاریخ اسلام)

کشمیر کے حوالے سے سلطان محمود کے متعلق جو دو واقعات بیان کئے گئے اُن پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر ڈاکٹر شمس الدین احمد نے واقعات کشمیر کے ترجمہ کے حاشیہ نمبر ۱۴۴ میں درج ذیل تبصرہ کیا ہے:

’’مورخ حسن نے مُلا احمد کشمیری کی وقایع کشمیر کے حوالے سے جو واقعات سلطان محمود غزنوی اور راجہ سنگرام راج کے تعلقات کے پس منظر میں بیان کئے ہیں جدید مورخین نے ان کو نظر انداز کیا۔لیکن یہ سراسر ناانصافی اور غیر حقیقی عمل ہے کہ کسی ایسے ذکر یا بیان کو بلکل ہی غیر قابل توجہ جانا جائے جو قدیم اور معتبر ذریعہ سے ہم تک پہنچا ہو۔علمی تحقیق میں ہمیشہ مزید تحقیق کی گنجائش باقی رہتی ہے ۔کیونکہ کوئی بھی تحقیق اور وہ بھی تاریخی حوادث وحالات کی نہ حتمی ہے اور نہ آخری۔اور اگر نہ ہو تو پھر آیندہ کی تحقیق ناممکن ہوگی ۔راجہ سنگرام راج میں سلطان محمود کو روکنے کی ہمت نہ تھی تو محمود براہِ راست کشمیر میں داخل ہو جاتا ہے ۔راجہ سنگرام اس کے دربار میں تعظیم بجالانے کے لئے حاضر ہو جاتا ہے اور دوسری بار آتا ہے تو راجہ مذکور کے بیٹے کو بھی اپنے ساتھ لے جاتا ہے اور خود راجہ سنگرام کو بھی اس وقت اپنے ہمراہ لے جاتا ہے ۔جب دوسری بار کشمیر سے قنوج کا رُخ کرتا ہے ۔اگر چہ جیسا کہ اوپر بیان ہوا

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ وہ اپنے ساتھ سونا لے گیا، جنگی قیدیوں کو لے گیا۔ کافروں کو مسلمان بنا کر اور اسلام کی بنیادیں ڈال کر واپس غزنی چلا گیا تو پھر اس بات کے مان لینے میں اور اس بات کے حقیقت سے قریب ہونے میں کیا قباحت درمیان میں ہے کہ سلطان محمود کے بارے میں کشمیر میں داخل ہو کر اسے اپنی ایک باجگذار ریاست بنانے کا جو بیان ملا احمد کے حوالے سے مورخ حسن نے نقل کیا ہے اس کو ماننے سے اجتناب کیا جائے۔ اس چشم پوشی کے لئے مورخین کے پاس اگر صریح براہین اور دلائل ہیں جو تحقیق کی بنا د پر مستند ہیں تو پھر ان کو تاریخ کشمیر کے صحت اور حقانیت کے ضمن میں محققین اور تاریخ کے طلباء کے سامنے لانا ایک بہت بڑی خدمت ہوگی۔ ورنہ جب تک دلائل و تحقیق کے اسناد سے مورخ حسن کے نظریات کو رد نہیں کیا جاتا اس کے بیانات کو صحیح مان لینا صحیح ہے بلکہ صحیح تر۔ **کلھن نے سلطان محمود غزنوی کا نام نہیں لیا ہے** البتہ اس کے خطاب یعنی امیر (سنسکرت ھمیر) کو استعمال میں لایا ہے اور اُس کے ہاتھوں ترلوچن پال کی شکست کے نتیجے میں مسلمان کے ہندوستان یا سارے ملک میں موثر ہو جانے پر کلھن نے اس غیرت مند قوم کے خلاف پھر اپنے برہمنانہ تعصب اور زہر کو انڈیل کر انہیں چنڈالوں کا گروہ کہا ہے (چنڈال = ملی جلی قوم کا انتہائی پست درجہ آدمی۔ وہ جسے اپنی قوم سے خارج کر دیا گیا ہو۔ ایک ذلیل و شریر آدمی۔ خبیث) ہم نے ایک بے غرض اور بلند کردار اور علمی بنیادوں پر تاریخ ترتیب دینے والے مورخ کو کبھی بھی بد دہن، بدکلام اور ایک ڈسنے اور گرد و خاک پر لوٹنے والا زہریلا ناگ نہیں دیکھا جیسے کہ کلھن داستان گو کو پایا ہے ۔مسلمانوں کو کھلے لفظوں میں ملیچھ (ناپاک) اور سور اور چنڈال کہنے والا دنیا بھر میں یہی ایک داستان نویس ہے۔ جس نے اپنی بدکلامی، بدگوئی، بدذہنی اور زہر افشانی سے اپنی اصلیت سے ہمیں آشنا کیا ہے۔ ہم اس کا فیصلہ پڑھنے والوں پر چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے تعصب کے گرد و خاک کے پلے اس زہریلے ناگ کے حق میں کیا رائے قائم کریں گے۔ (صفحہ ۶۰۰، ۵۰۰ مذکورہ کتاب)

مورخ حسن اور ڈاکٹر شمس الدین احمد کے مذکورہ بالا بیانوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ محمود غزنوی کشمیر آیا ہے ۔اور کئی لوگوں نے حقائق پر پردہ ڈالا ہے یا صرفِ نظر کیا ہے ۔لیکن حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے ۔ ۔کشمیر میں اسلام محمد بن قاسم کے زمانے میں داعیانہ انداز میں داخل ہوا۔ اپنے اثرات مرتب کیئے۔ مسجد بنائی گئی ، حامیم نے لوگوں کو اپنا ہم خیال بنانے کے سلسلے میں محنت کی محمد غزنوی کے دور میں مسلمان فاتحانہ انداز میں کشمیر میں داخل ہوئے۔ راجہ نے اس دلیر قوم کے ساتھ مقابلہ کرنے سے گریز کیا۔ اس

کے بیٹے کو ساتھ لے چلا۔ محمود نے اس سرزمین پر اذانیں دیں۔ نماز پڑھی۔ لوگوں کو اسلام میں داخل کیا ۔ ریاست اسکی باجگذار بن گئی جس سے مسلمانوں کی عزت میں چار چاند لگ گئے لہذا محمود کا دو مرتبہ کشمیر میں آنا اور اس سرزمین پر توحید کی صدائیں بلند کرنا محمد بن قاسم کے بعد اسلام اور مسلمانوں کے لئے ایک دوسرا دور ہے جس کی نفسیاتی اور دینی اہمت سے انکار نہی کیا جا سکتا۔

کشمیر کی تاریخ میں محمود کا بھی نام ہے ☆ ترک کرنا یہ حقیقت حاسدوں کا کام ہے
کیا ہوا آیا اگر ایک مرد مومن دور سے ☆ پھر اذان سحر دینا کیا کوئی الزام ہے (عاصیؔ)

راجہ سہہ دیو

یہ آخری ہندو راجہ تھا جو ۷۰۵ھ مطابق ۱۳۰۵ء میں حکومت کرتا تھا۔ مورخ حسن اس کے دور حکومت کے متعلق یہ تبصرہ کرتا ہے: ”اس کے زمانے میں بلکہ اس سے پہلے ہی سے کشمیر کے لوگ راہِ راست سے ہٹ گئے تھے۔ اور بُرے کاموں اور ناکارہ قسم کے طور طریوں پر ڈٹ گئے تھے اور خود سر بن کر بدکاری کے کام کرتے تھے۔ اور گھنگاری اور خطا کاری میں مزہ محسوس کرتے تھے اور ظلم، جُوا، شراب اور برے کام اپنا کر اچھائی کے کام اور نیکوکاری کے برتنے کے کام کا خیال تک اپنے دلوں میں سے نکال دیا تھا۔ انتقام لینے والے اس سچے پروردگار نے ایسے طور طریقے اپنانے کی پاداش میں عذاب میں گرفتار کیا اور مصیبت کے بھنور میں ڈال کر نیست و نابود کیا۔ جس کی تفصیل اس طرح ہے۔

ذوالقدر خان کا حملہ

چنگیز خان کے بیٹے ہلاکوں خان کی اولاد میں سے ایک شخص ذوالقدر خان جس کو کشمیری ذوالچو کہتے ہیں۔ اپنے ملک ترکستان میں سے ۷۲۴ھ مطابق ۱۳۲۳ء ستر ہزار دلاور قسم کے سوار لے کر کابل کے راستے سے آتے آتے بہت سارے لوگوں کو قتل کیا۔ اور اس کے بعد اپنے ارادہ کے گھوڑے کو کشمیر کی طرف پھیر لیا اور موسم بہار آتے ہی یہاں پہنچا۔ یہ خبر سنتے ہی اور اپنی فوج میں مقابلہ کی سکت نہ پا کر راجہ سہہ دیو خود اپنا عیال لے کر کشتواڑ کیطرف بھاگا۔ ذوالقدر خان نے اپنی خونین تلوار اپنی غلاف میں سے باہر نکالی اور پھر یہاں کے عوام و خواص کا قتل عام کیا۔ یہاں کی عورتیں اور اور بچے ان تاجروں کو بیچے جو اپنے ساتھ لائے تھے۔ اور اس طرح اپنے پاس خزانوں کے خزانے جمع کیئے۔ جو کچھ یہاں مال و اسباب و جائیداد تھی یہاں تک کہ حیوانات وغیرہ بھی، اس سب کو لوٹا۔ مکانوں کو جلایا اور

خاکستر کر دیا۔ پہلی بوائی کا ایک دانہ تک بھی نہیں بویا گیا اور بہار کے فصل کو گاؤخانوں میں پھینکا۔ اس دوران راجہ سہہ دیو کا فوجی سردار رام چندر پرگنہ لار کے علاقہ میں لگنہ گیر قلعے میں پابندی کے ساتھ ڈیرہ جما کر بیٹھا اور وہاں پر کشمیر کے چیدہ قسم کے لوگوں کی حفاظت کرتا رہا۔ کچھ مصیبت زدہ لوگ بھاگ گئے اور پہاڑوں کے غاروں میں چھپ گئے اور اس طرح اپنے آپ کو ظالموں کے شر سے بچایا اور کچھ لوگ مال اور عیال چھوڑ کر آہستہ آہستہ سے تبت، گلگت اور کشتواڑ کیطرف بھاگ گئے۔

آٹھ ماہ تک ذوالقدر خان انتقام لیتا رہا اور ملک کو تہہ و بالا کر کے بہت تباہی مچائی اور سچ مچ جس کو بربادی کہتے ہیں وہ پھیلائی۔ موسم میں بہت ٹھنڈی پیدا ہو جانے اور شدید سرمائی سختی اور کھانے پینے کی چیزیں نایاب ہونے کی وجہ سے مجبور ہو کر واپس چلے جانے کا خیال آیا۔ جو لوگ اس کے قیدی تھے ان سے ہندوستان جانے کا راستہ دریافت کیا انہوں نے پر پیچ راستے کی رہنمائی کی۔ جو پیر پل (دیوہ سر) کے پہاڑ کی چوٹی سے جاتا تھا۔ پچاس ہزار کشمیری قیدی جن میں عورتیں اور بچے بھی تھے کو ساتھ لے کر کشمیر چھوڑ کر ہندوستان کے ارادے سے نکلا۔ جونہی (دیوسر) کی پہاڑی چوٹی پر پہنچا تو اسی دوران طوفانی ہوائیں چلیں اور آسمان کی طرف سے اولے اور برف گرنے لگی۔ ایسی خطرناک گرج و چمک ہونے لگی جو بزبانِ خود چلا چلا کر کہتی تھی کہ آج کس کی بادشاہی کا دن ہے؟ آج قہر کرنے والے خدا کا دن ہے۔ لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَھَّار۔ اور اس اوپر سے نیچے آنے والے عذاب نے (جو قہر کرنے والے کا قہر تھا) اُن ظالموں کا پتا خوف سے پھاڑ دیا۔ طوفانی برف نے زور کیا تو یہ سب ظالم کشمیری قیدیوں کے سمیت برف کے نیچے دب گئے۔ پیغام پہنچانے کے لائق بھی ایک آدمی نہیں بچ گیا۔

بیک لمحہ از حکم عالم پناہ ☆ ہزاراں سرِ سروراں شُد تباہ

ترجمہ: عالم پناہ کے ایک حکم سے بڑے ہزاروں حکمرانوں کے سر تباہ ہوئے۔

ان ظالموں کی موت کے بعد پہاڑوں کی غاروں میں چھپے کچھ لوگ باہر آ گئے تو اپنے قوم و قبیلہ کے ایک آدمی کو بھی کسی جگہ نہ پایا اپنی زندگی سے بیزار ہو کر آنکھوں سے خونِ جگر ٹپکا رہے تھے۔ سو میں سے ایک بھی زندہ نہ پایا۔ گاؤں میں صرف ایک ایک گھر پکڑ کر وہیں سکونت اختیار کی۔ شہر میں کل گیارہ آدمیوں نے کئی نئے مکانوں کی داغ بیل ڈال دی۔ صوفی نے لکھا ہے کہ ذوالقدر خان نام ہونے سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے کہ وہ مسلمان تھا کہ یہ مسلمانوں کے نام کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے ایسی مشابہت

تو چنگیز خان اور ہلاکو خان کے نام سے بھی مغالطہ میں ڈالنی والی ہے۔ اس کو ذوالجو بھی کہتے تھے جس سے اس کے تبتی نسل ہونے کا اشارہ ملتا ہے۔ بالفرض اس کو ذوالقدر ہی مانا جائے تو وہ ھن قوم کا فرد شمار کیا جائے۔

رام چندر قلعہ لگنہ گیر سے باہر آیا

رام چندر سپاہ سالار جو علاقہ لار کے لگنہ گیر قلعہ کے اندر تھا اپنے قبیلہ والوں کے ساتھ قلعہ سے نکلا اور اندرکوٹ کے قلعہ کے اندر رہائش اختیار کرنے لگا اور رینچن شاہ اور شاہ مرزا جو اس سانحہ کے وقت اسی کے زیر سایہ صحیح سلامت رہے تھے ان کو اپنی ملازمت اور باہمی تعاون کے دائرے میں برقرار رکھا۔ راجہ سہہ دیو دم بخود ہو گیا تھا۔ داماد ہونے کی وجہ سے وہ راجہ کشتواڑ ہی کے پاس رہا ۷۲۵ھ مطابق ۱۱۳۰ء میں جتنا ان باقی ماندہ کشمیریوں سے ہو سکا۔ جان جھوکوں میں ڈال کر دوبارہ آباد ہونے کے لئے محنت کی اور جوں توں کر کے اناج جمع کرنے میں لگ گئے۔ ادھر کشمیر میں کوئی انتظام سنبھالنے والا یا حاکم نہیں تھا اس طرح پہاڑی خان لوگوں کو موقعہ آیا اور انہوں نے پہاڑوں سے نکل کر شورش برپا کی اور مرازعلاقے کو لوٹنے لگے۔ جو کچھ وہاں از قسم اناج، حیوانات اور مال و جائداد ہاتھ آیا۔ اس سب کو لوٹ کر لے گئے۔ یہ کشمیری مصیبت زدے خان لوگوں کے اس لوٹ کھسوٹ کی وجہ سے گھبرا کر رام چندر کے پاس فریادی بن کر آئے۔ رام چندر نے سپاہیوں کی ایک ٹولی رینچن شاہ اور میرزا کی سربراہی میں بھیجی تا کہ ان کا مقابلہ کیا جائے۔ کمال بہادری کے ساتھ رینچن، خان فرقہ کی پناہ گاہوں پر مضبوطی کے ساتھ جما رہا اور ایک اچھی تدبیر کر کے رات کے وقت ان کو گرفتار کیا اور ان کے بازو اور ٹانگیں کاٹ کر ان کو پھانسی دی۔ جب عوام خان لوگوں کے اس ڈر سے فارغ ہوئے تو انہوں نے رینچن شاہ کو طرح طرح کے نذرانے اور نقد و جنس بطور شکریہ پیش کئے۔ اس میں سے رینچن شاہ کچھ رام چندر کو بھی دیتا رہا اور آدھا خود ہضم کرتا تھا۔

راجہ سہہ دیو کے زمانے میں تین اہم شخصیات کا کشمیر میں آنا

راجہ سہہ دیو کے زمانے میں تین نو وارد مہمان کشمیر میں آئے۔ یہ تینوں شخص بڑی اہمیت کے حامل تھے۔ پہلا شخص شاہ میرزا تھا۔ دوسرا رینچن تھا اور تیسرا شخص لنگر چک تھا۔ اب ہم تفصیل سے ان کے حالات بیان کریں گے تا کہ آگے آنے والے واقعات کو سمجھنے میں آسانی پیدا ہو جائے۔

پہلا شخص شاہ میرزا

پہلا شخص شاہ میرزا تھا۔ یہ شخص سواد کنر سے آ کر بارہمولہ کشمیر میں بس گیا۔اس کا نام شاہ میرزا تھا ۔باپ کا نام طاہر اور دادا کا نام فور شاہ تھا۔فور شاہ ایک صاحب کشف شخص تھا۔صاحب کرامت تھا ۔ایک دن اُس نے اپنے پوتے شاہ میرزا کو اپنی گود میں لیا اور کہا کہ مجھے غیب سے الہام ہوا کہ ہمارا یہ جگر گوشہ ایک دن کشمیر کا بادشاہ بنے گا۔اتنا ہی نہیں بلکہ اس کی اولاد کئی پشتوں تک حکومت کرتی رہے گی کنز سواد کے لوگوں کو فور شاہ کی کرامتوں پر اعتماد تھا اور اس کی کشف اور کرامت پر مکمل یقین ۔لہذا جب میرزا بالغ ہوا۔تو اس کو اپنے دادا صاحب کی بشارت سنائی اور اس کو کشمیر جانے پر آمادہ کیا تو اپنا اہل و عیال لیکر ۷۰۲ھ میں کشمیر آیا۔اس کا اعلیٰ حسب ونسب مد نظر رکھتے ہوئے سہہ دیو راجہ نے اس کو پرگنہ کروہن میں دار ''ویر گام'' بطور جاگیر دیا اور اپنے دربار کا ساتھی بنا کر اس کی عزت افزائی کی۔تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ شاہ میرزا اصل میں پانڈوؤں کی نسل میں سے تھا اور اس کا نسب اس طرح بیان کیا گیا ہے

شاہ مرزا ابن طاہر بن فور شاہ بن کرشٹ بن بنگو در۔بنگو در کا نسب ارجن دیو کے ساتھ ملتا ہے جو ایک پانڈو تھا اور پانڈوؤں کا احوال مہابھارت میں موجود ہے۔اور یہی شاہ میرزا بعد میں بننے والے سلطانوں کا جد اعلیٰ تھا۔جو پہلے کشمیر میں ایک مسلمان مہاجر کی حیثیت سے داخل ہوا۔

دوسرا شخص رینچن

دوسرا نو وارد رینچن تھا جو بغین کا بیٹا اور ملک تبت کا راجہ تھا۔اپنے چچا نے اس کو تنگ کیا اور وہ کشمیر آیا ۔بدھ مذہب کا پیرو تھا۔مدد اور ہاتھ بٹائی کے لئے رام چندر سے استدعا کی۔چند سال تک مدد کی امید پر گگنہ گیر گاؤں میں آرام سے بیٹھا اور راجہ سہہ دیو اسکو اپنے خزانے سے روزینہ بھیجتا تھا۔جب سہد یو ذوالقدر خان کے حملہ کے وقت کشتواڑ بھاگا تو یہاں پر اپنے فوجی سردار رام چندر کو علاقہ لار کے گگنا گیر قلعے میں چند ذی عزت لوگوں کی حفاظت کے لئے چھوڑا۔ذوالقدر خان کے واپس جانے کے بعد یہ فوجی سردار اپنے قبیلہ والوں کے ہمراہ اس قلعہ سے باہر نکلا اور اندر کوٹ قلعہ میں رہنے لگا۔اور رینچن شاہ اور شاہ میرزا جو اس وقت اسی فوجی سردار کے زیر سایہ پل رہے تھے ان دونوں کو بھی اپنی ملازمت اور دوستی میں برقرار رکھا۔راجہ سہد یو دم بخود رہ گیا تھا۔لہذا کشتواڑ کے راجہ کے پاس ہی رہا۔افراتفری

کے اس عالم میں پہاڑی خان لوگوں کو موقعہ مل گیا وہ پہاڑوں اور بالائی علاقوں سے نیچے اتر کر شورش اُٹھانے لگے اور علاقہ مراز کو لوٹنے لگے اور جو کچھ وہاں از قسم اناج، حیوانات، اور مال و جائیداد ہاتھ آیا ۔لوٹ کر لے گئے ۔لوگ رام چند کے پاس فریادی بن کر آئے۔اس نے فوج کی ایک ٹولی کے ساتھ رینچن اور شاہ میرزا کو لٹیر خانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے بھیجا۔کمال جرأت سے کام لے کر رینچن نے خان فرقہ کی چھپنے کی جگہوں پر مقابلہ کیا اور خاص تدبیر کر کے ان کو رات کے وقت گرفتار کیا اور ہاتھ پاؤں کاٹ کر پھانسی دی،لوگوں نے جب کچھ سکون حاصل کیا تو رینچن کو نقد و جنس کے طور نذرانے پیش کئے۔اس میں سے رینچن کچھ حصہ رام چندر کو بھی دیتا تھا اور کچھ خود بھی ہضم کرتا تھا۔اسی دوران اس کو ملک کا بادشاہ بننے کا خیال آیا شاہ میرزا کو اپنے ساتھ ملا کر دونوں رام چندر کو دور اور الگ کرنے پر تیار ہو گئے ۔آخر ایسا ہی ہوا کہ اس نے رام چندر کو قتل کیا۔رام چندر کے حمایتوں نے لڑنا چاہا لیکن رینچن نے ان کو بھی قتل کیا۔رام چندر کے بیٹے راون چندر کو گرفتار کیا اور جیل بھر دیا۔یہ کام کرنے کے بعد اندر کوٹ سے فوراً شہر کی طرف چلا۔اور پھر پوری مضبوطی اور آزادی کے ساتھ تخت پر بیٹھا۔

تیسرا شخص لنگر چک

تیسرا شخص لنگر چک تھا۔جو چک فرقے کا جد اور دار دوہ (دردستان) کا رہنے والا تھا ۔دشمنوں کے خوف سے بچنے کے لئے سہدیو کے پاس پناہ حاصل کرنے کے لئے آیا۔اس کے حسب و نسب کے متعلق اہل تواریخ عجیب قسم کی باتیں بیان کرتے ہیں۔(لنگر چک مسلمان تھا دیکھو کشمیر میں فارسی ادب کی تاریخ صفحہ ۳۶)

رینچن کو بادشاہ بننے کا خیال آیا

جب رینچن کو ملک پر خود راج کرنے کا خیال آیا اور شاہ میرزا کو اپنے ساتھ ملا کر دونوں رام چندر کو دفع کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔تو ان دنوں رینچن پرگنہ لار گیا تھا۔رام چندر نے اس کو پیام بھیجا کہ اس جگہ کے لوگوں سے کوئلہ کی چند بوریاں وصول کر کے ان کو رام کے پاس بھیج دیں۔اس دن تبت کے لوگوں کی ایک جماعت گھوڑوں پر اناج لاد کر شہر کی طرف آ رہی تھی۔رینچن نے ان کو اپنی طرف بلایا اور ان کی بوریوں میں کوئلے بھر دئے اور ان کوئلوں میں جنگی سامان بھی چھپا کر بھر دیا اور اپنے ساتھ لے کر اندر کوٹ پہنچا دیا۔اور وہاں ایک کوئلے کی کوٹھری کا دروازہ کھولدیا اور جنگی سامان تبتی لوگوں کو اور

اپنے ساتھیوں کو دے کر رام چندر کے سونے کے کمرے میں داخل ہو کر اس کو قتل کر دیا۔

رینچن نے رام چندر کو قتل کیا

رام چندر کے جو فرمانبردار اور خاص آدمی تھے انہوں نے لڑائی کو بھڑکانا چاہا۔لیکن رینچن نے ان سب کو قتل کیا۔رام چندر کے بیٹے راون کو گرفتار کیا اور پھر جیل بھیجا۔اندر کوٹ کے اندر پہلا کام انجام دے کر رینچن تیز رفتاری سے شہر پہنچا اور پوری مضبوطی اور آزادی کے ساتھ تخت پر بیٹھا۔

رینچن کا رام چندر کی بیٹی سے شادی کرنا

رینچن شاہ نے تخت پر قبضہ کرنے کے بعد سہہ دیو کے وزیر اعظم رام چندر کی بیٹی کوٹا رانی سے شادی کر لی۔کوٹا رانی اسے ہندو عقائد قبول کرنے پر مائل کرنا چاہتی تھی۔لیکن پنڈت رینچن کو اپنے مذہب میں قبول کرنے پر تیار نہیں تھے۔وہ ابھی سوچ میں ہی تھا کہ صبح کو اپنے محل سے دریائے جہلم کے اس پار ایک بزرگ کو نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا۔رینچن کو یہ طریقہ عبادت پسند آیا اور ان بزرگ کے ہاتھ پر ایمان لایا اور اپنے سارے اہل وعیال کو بھی اسلام میں داخل کر دیا۔یہ بزرگ سید شرف الدین تھے جو کشمیر میں بلبل شاہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔یہ ترکستان کے ایک موسوی سید تھے۔اور وسیع سفر کئے تھے۔انہوں نے عرصہ تک بغداد میں قیام کر کے وہاں کے علماء سے بھی کسب فیض کیا تھا۔انہیں شاہ نعمت اللہ فارسی سے عقیدت تھی۔جو سہروردی طریقے میں امتیاز رکھتے تھے۔بلبل شاہؒ بڑے متقی، زاہد اور صوفی تھے اور ان کی زندگی خود عوام کے لئے مشعل ہدایت تھی۔اس سے رینچن شاہ متاثر ہوا۔اس طرح وہ کشمیر کا پہلا اسلامی حکمران ثابت ہوا۔سید شرف الدینؒ کا لقب بلبل شاہ مشہور ہونے کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ لوگوں نے ایک دفعہ انہیں ایک بلبل پکڑنے کے لئے، بلبل کی شکل اختیار کر کے اس کے پیچھے اڑتے دیکھا تھا۔بعد میں انہوں نے بتایا تھا کہ یہ بلبل ان کی روح تھی۔رینچن نے اسلام قبول کر کے بعد میں اپنا نام صدر الدین رکھا۔اس طرح وہ کشمیر کا پہلا مسلمان حکمران بنا۔رینچن نے دو سال اور سات مہینے کی حکومت کے بعد انتقال کیا۔اس نے کوٹا رانی کے بطن سے ایک بیٹا حیدر نامی چھوڑا تھا۔لیکن وہ اس کا جانشین نہیں ہوا۔

کشمیر میں اسلام کا تیسرا دور

محمود غزنوی کے دوبارہ واپس جانے کے بعد حکومت کی باگ دوڑ ہندو راجاؤں کے ہاتھ میں رہی

اور تفصیلی حالات پردہ اخفاء میں ہیں البتہ اتنا ظاہر ہے کہ آخری ہندو راجہ سہہ دیو تھا۔جس کے زمانے میں ذوالقدر خان تاتاری نے کشمیر پر حملہ کیا۔

سید شرف الدین کا ۷۲۵ھ میں کشمیر تشریف لانا

۷۲۵ھ میں کتب ربانی شرف الدین سید عبدالرحمٰن ترکستانی کشمیر تشریف لائے یہ ترکستان کے ایک موسوی سید تھے یہ بزرگ کشمیر میں بلبل شاہ صاحب کے لقب سے مشہور ہوئے۔انہوں نے وسیع پیمانے پر سفر کئے تھے۔کافی عرصہ تک بغداد میں قیام کر کے وہاں کے علماء سے بھی کسب فیض کیا تھا۔انہیں شاہ نعمت اللہ فارسی سے عقیدت تھی جو سہروردی طریقے میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔بلبل شاہ صاحب کو شاہ بلال بھی کہتے ہیں۔آپ بڑے پاک سیرت پاک باطن اور نیک صوفی تھے اور ان کی زندگی عوام کے لئے مشعل ہدایت تھی آپ کی وفات ۷۲۷ھ میں ہوئی قبر شریف محلّہ بلبل لنگر دریائے جہلم کے کنارے مشرق کی طرف واقع ہے۔آپ نے بلبل لنگر میں ایک عالی شان خانقاہ بنوائی۔جمعہ اور باقی نمازوں کے لئے ایک مسجد بھی تعمیر کرائی۔ایک روایت کے مطابق وہ شیخ شہاب الدین سہروردی کا مرید تھا اور دوسری روایت کے مطابق شاہ نعمت اللہ ولی کا جو سلسلہ سہروردی میں ایک خلیفہ تھا لیکن خواجہ اعظم دیدمری پہلی روایت کو تسلیم نہیں کرتا ہے اور اس کی وجہ یہ بتاتا ہے کہ شیخ ۶۳۲ھ میں فوت ہوئے اور بلبل شاہ نے کشمیر کا سفر ۷۲۵ھ میں کیا۔لہٰذا وہ بظاہر کسی طرح بھی سہروردی بزرگ کا خلیفہ نہیں ہو سکتا۔البتہ شاہ نعمت اللہ کا ہو سکتا ہے۔دوسرا مصنف حاجی محی الدین مسکین اپنی تاریخ کبیر میں یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ بلبل شاہ ملا احمد علامی کا مرید تھا۔جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے کشمیر کے سفر کے دوران بلبل شاہ کے ساتھ ہمراہی کی تھی جب اس نے پہلی مرتبہ راجہ سہہ دیو کے زمانے میں کشمیر کا سفر کیا تھا یہی مصنف لکھتا ہے کہ ملا احمد علامی سلطان شمش الدین ۷۴۳ھ تا ۷۴۶ھ کے زمانے میں شیخ الاسلام تھا۔اس پر تبصرہ کرتے ہوئے صوفی محی الدین صاحب لکھتے ہیں کہ مجھے ڈر لگتا ہے کہ شاید یہ روایت تسلیم نہیں کی جا سکتی کیونکہ یہ مشکل سے ہی باور کیا جا سکتا ہے کہ بلبل شاہ نے اپنے پیر سے اس معاملے میں سبقت لی ہو گی جس کی وجہ سے وہ دوسرے درجہ پر آتا ہے۔لہٰذا صوفی محی الدین صاحب لکھتے ہیں کہ ظاہری روایت سے یہی پتہ چلتا ہے کہ بلبل شاہ صاحب نعمت اللہ کا مرید تھا۔

اسی بزرگ کے ہاتھ پر اس وقت کے بادشاہ رینچن شاہ نے اسلام قبول کیا اور وہ مورخین

کے مطابق کشمیر کا پہلا مسلمان بادشاہ تھا۔وہ حالات جن کی وجہ سے رینچن شاہ نے اسلام قبول کیا وہ سادگی ہوگی جو بلبل شاہ صاحب میں پائی جاتی تھی اوراس کے ساتھ اس کے مسلمان بننے میں اس بات نے بھی مدد کی کہ جو کچھ وہ لوگوں میں اپنے گردوپیش کے ماحول میں دیکھتا تھا۔مختلف لوگوں نے مختلف اسباب بیان کئے ہیں مثلاً کوئی (کرپارام اور نارائن کول) یہ بیان کرتا ہے کہ برہمنوں نے اس کے ہندو مت میں داخل ہونے کو رد کیا۔لیکن دیگر مصنفین یہ تسلیم نہیں کرتے ہیں مثلاً ملک حیدر اور خواجہ اعظم ۔اس بادشاہ کے اسلام میں داخل ہونے کے سلسلے میں کیا اسباب کارفرما تھے۔اس میں زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اتنا کہنا ہی کافی ہے کہ رینچن شاہ نے اسلام قبول کیا اور وہ بھی بلبل شاہ کے ہاتھ پر اور اپنا نام سلطان صدرالدین اختیار کیا۔اور ہماری توجہ اس طرف مبذول کرتا ہے کہ وہ کشمیر کا پہلا مسلمان حکمران تھا۔رینچن کے اسلام قبول کرنے کے بعد اس کے سارے کمانڈران چیف،اور کئی دیگر اصحاب نے بلبل شاہ صاحب کی سیرت کو دیکھ کر اسلام قبول کیا۔ان سب کی رہائش کے لئے دریا کے کنارے پر ایک جگہ مختص کی گئی اور اس طرح کشمیر میں پہلی مسجد کی بناء بھی ڈالی گئی۔حضرت بلبل شاہ صاحبؒ ۷۲۷ھ مطابق ۱۳۲۶ء فوت ہوا۔اناللہ و انا الیہ راجعون.

ترکستان کا تعارف

ترکستان ایشاء کا ایک علاقہ ہے جو شمال میں سائبیریا،مغرب میں کیسپین سمندر،جنوب میں افغانستان ، ہندوستان اور تبت اور مشرق میں منگولستان تک محدود ہے۔اور روس اور چین میں بٹ گیا ہے ،اس علاقے کا مرکزی ،مغربی اور شمالی حصہ ہموار اور نا قابل کاشت ہے۔روسی ترکستان یعنی ترکمنستان،ازبکستان اور تاجکستان۔مشرقی ترکستان یعنی چینی ترکستان (سن کیانگ)

کشمیر میں اسلام کا پھیلاؤ

تاریخ حسن میں لکھا ہے کہ مورخین کے مطابق رینچن شاہ کے زمانے تک ہندوراجاؤں کی حکمرانی کا عرصہ ۴۴۴۵ شمسی سال رہا ہے۔اس سارے عرصہ میں ہندو مذہب رائج تھا۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی اپنے مذہب پر مضبوطی کے ساتھ قائم نہیں تھا۔طور طریقوں اور الگ الگ مذاہب کا شمار، باہمی اختلاف اور نئے نئے مذاہب میں اضافہ بھی بہت ہوا تھا۔ان مذاہب میں زیادہ تر بدھ مذہب کو زیادہ عروج حاصل تھا اور اسی کا زیادہ رواج تھا۔کیونکہ الناس علیٰ دین ملوکھم (یعنی لوگ اپنے بادشاہوں کے

دین پر چلتے ہیں کے مطابق اسی مذہب کا زیادہ رواج تھا۔اس کے علاوہ یہاں کھتری، ویش،کایت، پارسی،ناگ پرست وغیرہ دیگر فرقے بھی رہتے تھے۔جب زوالچویا(ذوالقدرخان) نے حملہ کیا تھا تو اس وقت بھی اس حادثے کی وجہ سے بہت سے لوگ اس کی تلوار کا شکار ہوگئے تھے۔پھر الگ الگ مذاہب کے بہت تھوڑے لوگ باقی بچ گئے تھے۔جس وقت رینچن شاہ تخت پر آزادی کے ساتھ بیٹھا تو اس نے یہاں کے مذاہب میں باہمی اختلاف ہونے کی وجہ سے اصل مذہب میں خلل پایا۔پھر چاہا کہ اپنے اس ماتحت ملک میں ایک ہی قوم کو وجود میں لائے۔شیو مذہب میں داخل ہونا اس کو مشکل معلوم ہوا اور باقی مذاہب کے بارے میں تذبذب میں رہا۔آخر اپنے دل ہی دل میں فیصلہ کیا کہ کل جس آدمی پر مجھے بلکل سویرے نظر پڑے گی میں اسی کا دین اختیار کروں گا۔

دوسری صبح کو اس نے جناب سید شرف الدین کو جس کا لقب ''بلبل شاہؒ'' تھا۔دریا کے دوسرے کنارے پر نماز پڑھتے دیکھا۔اسکی نماز اور دعا وغیرہ کا طریقہ اس کو پسند آیا اور پھر اپنے اہل و عیال کے ساتھ اسی کے دین کو اختیار کیا اور مذہب اسلام اختیار کر کے اپنا نام ملک صدرالدین رکھا۔حکومت کے عہدہ داروں اور عام لوگوں نے گروہ درگروہ حضرت سید بزرگوار کے ہاتھ پر بیعت کر کے دین اسلام کے اندر داخل ہونے کی سعادت حاصل کی اس تبدیل مذہب کی تاریخ ۷۲۶ھ ہے۔دین اسلام میں داخل ہونے کی فضیلت حاصل کرنے کے بعد رینچن شاہ نے اپنے بزرگ مرشد کے لئے ایک اُونچی خانقاہ دریا کے کنارے تعمیر کی اور یہ کشمیر میں پہلی تعمیر شدہ خانقاہ ہے۔

اس خانقاہ میں مسافروں اور محتاجوں کے لئے ایک لنگر خانہ چالو کیا اور اس لنگر خانہ کے اخراجات کے لئے پرگنہ ناگام کے چندگاؤں مقرر کئے اور یہ لنگر خانہ مغل بادشاہوں کے زمانے تک اسی طرح چلتا رہا۔اور فقیروں اور مسکینوں کو اس لنگر خانہ سے روزانہ کی خوراک ملتی تھی۔اسی لئے اس محلے کا نام بلبل لنگر ہے۔رینچن شاہ نے اپنے لئے ایک شاہانہ طرز کی تعمیر بھی بنائی جہاں اِس وقت حضرت سید محمد اویس صاحب کی زیارت ہے۔اسی کے ساتھ ایک بڑی جامع مسجد بنائی جہاں خود بھی جمعہ کی نماز ادا کرتا تھا۔کچھ عرصہ کے بعد اسی بڑی مسجد میں آگ لگ گئی تو پھر پتھروں کی ایک چھوٹی مسجد بنائی جو ابھی تک اس جگہ موجود ہے۔دو سال ساتھ مہینے بادشاہی میں گزار کر اس دنیا سے چل بسا اور بلبل شاہ صاحب کی خانقاہ کے ساتھ سپرد خاک کیا گیا۔

رینچن کے بعد ادین دیو راجہ بنا

کوٹارانی نے شاہ میرزا کے مشورے سے سہدیو کے بھائی ادین دیو کو جو سہہ دیو کے خاندان کے ساتھ زوالجو کے زمانے میں کشتواڑ کی طرف بھاگ گیا تھا۔ کشمیر بلا کر راجہ بنایا۔ اور کچھ عرصہ بعد اس سے بیاہ کرلیا ادین دیو کا کردار کشمیر کی تاریخ میں خاصا شرمناک اور قابل نفرت ہے کہ ایک بادشاہ ہو کر وہ ضرورت کے وقت ملک کو دشمن کے حوالے کر کے خود اپنی جان بچانے کے لئے بھاگ جاتا تھا اور ملک کو ایک عورت (بیوی) کے حوالے کر کے چلا جاتا تھا۔

ترک کے اروون نے کشمیر پر حملہ کیا

اسی دوران اروون نامی ایک ترک نے کشمیر پر حملہ کیا۔ ادین دیو اپنے بھائی سہہ دیو کی طرح لداخ بھاگ گیا لیکن کوٹارانی اور شاہ میرزا کی ہوشیاری سے یہ فتنہ رفع ہوا اور اروون واپس چلا گیا اور پھر اُدین نے حکومت کا عہدہ سنبھالا۔ لیکن اس دفعہ وہ ایک نام نہاد سربراہ ہی تھا اور شاہ میرزا ہی دراصل سلطنت کا کاروبار چلاتا تھا۔

ادین دیو مر گیا

پندرہ سال دو ماہ تک نام نہاد سربراہ رہنے کے بعد ۱۳۴۱ء میں ادین مر گیا۔

شاہ میرزا کیسے نمودار ہوا؟

شاہ میرزا کا عروج اس طرح ہوا کہ کوٹارانی کے حکم سے شاہ میرزا نے خونخوار دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے ہمت کا کمر باندھا اور پھر گاؤں کے بڑے بڑے لوگوں اور باغیوں کو خطوط لکھے اور ان کو فہمائش کے طور بتایا کہ تم سبھوں کو معلوم ہے کہ ذوالجو (ذوالقدر خان) کے وقت کس قسم کا حادثہ ہمیں پیش آیا اب ایک نیا دشمن ہم پر حملہ آور ہوا ہے اگر اس وقت آپ لوگوں نے غفلت کی اور سستی دکھائی گے تو ملک ویران ہو جائے گا۔ ہم بدنام ہو جائیں گے اور دشمنوں کو کامیابی ملے گی۔

یہ خبر سنتے ہی مختلف اطراف کے بڑے بڑے لوگوں اور سرداروں نے چاہے وہ بدمعاش تھے یا شریف اتفاق کرنے کا فیصلہ کیا اور ترکی کی فوج کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے اپنا جھنڈا لہرایا جنگ کرنے کے لئے نکل آئے۔ دونوں طرف سے قتل اور جنگ کرنے میں کمال بہادری کا مظاہرہ کیا گیا اور لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ ترکی سردار دباؤ میں آ گیا اور باہمی صلاح صفائی کر کے واپس نکلا۔ اور کمال آزادی کے ساتھ شاہ میرزا نے اپنی کامیابی کا ڈھول بجاتے ہوئے بڑا مرتبہ حاصل کیا۔ اور ڈرپوک اور بدفطرت ہونے کی وجہ سے ملکی

معاملات اور انتظام میں اُدین نے دخل دینے کا کوئی امکان نہ پایا۔ سارا ملکی انتظام شاہ میرزا کے اشاروں پر چل رہا تھا۔ پرگنوں (ضلعوں کے ماتحت حصوں) میں اس کے بیٹے حکومت کا کاروبار چلا رہے تھے۔

کوٹارانی نے ۵۰ دن اپنی بادشاہت چمکائی

اُدین کے مرنے کے بعد کوٹہ رانی اندرکوٹ قلعے میں چلی گئی اور اپنے بھائیوں کی پشت پناہی پر اپنا جاہ و جلال دکھانے کے لئے بادشاہت سنبھالی۔

شاہ میرزا کو اپنے جدِ اعلیٰ کی پیش گوئی یاد آئی

شاہ میرزا نے جب میدان خالی پایا تو اس کو اپنے جد کی پیش گوئی یاد آئی اور اُس صاحب کرامت کی کشف کے مطابق بادشاہت کو اپنے ہاتھ میں لینے کا خیال آیا۔ وہ اندرکوٹ سے شہر آیا۔ اور ملک کے با اثر افراد کے ساتھ خفیہ مشورہ کیا۔ اس کے سابقہ کارنامون کو مدنظر رکھتے ہوئے سبھوں نے خواہی نہ خواہی باہمی اختلافات کو نظر انداز کیا اور اس کی فرمانبرداری کرنے کی ٹھان لی۔ اور مضبوطی کے ساتھ عہد و پیمان کر کے بادشاہ بنایا۔ یچہ بٹ نے اپنی طرف سے مخالفت کی تھی لیکن اس کو تلوار کا نذر کیا گیا۔ اس کے بعد شاہ مرزا نے بادشاہی کا لباس زیب تن کیا اور اپنا لقب سلطان شمس الدین رکھا۔

(نوٹ)

پندرہ سال اور چند ماہ کے اس قلیل عرصے کو نظر انداز کر کے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مسلم حکمرانوں کا دور حکومت رینچن شاہ یا صدرالدین سے شروع ہوا اور شاہ میری دور سلطان حبیب شاہ پر ختم ہوا اور راجہ ادین کو چھوڑ کر یکے بعد دیگرے ۲۶ مسلم سلاطین تخت نشین ہوئے جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

کشمیر میں اسلام کیسے پھیلا؟

کشمیر میں اسلام پرامن طریقے سے پھیلا۔ ابتداء سے لے کے انتہا تک مجموعی طور پر اسلام کے پھیلاؤ کا یہ عمل پرامن رہا۔ اسلام کشمیر میں کبھی کسی فاتح کی کاوشوں سے نہیں پھیلا۔ باستثناء ایک مختصر تعداد کے جو بقول مورخ حسن محمود کی تبلیغی مساعی سے کشمیر میں اس کے داخلے کے وقت اسلام قبول کر گئے۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ اس نے اس وقت کے راجہ کو باجگذار بنایا لیکن وہ مسلمان نہیں بنا۔ اگر محمود زبردستی مسلمان بنانے کا قائل ہوتا تو سب سے پہلے اسی بادشاہ کو مسلمان بناتا۔ اس نے اس کو باجگذار تو بنایا۔ لیکن مذہب تبدیل کرنے پر مجبور نہیں کیا اسی طرح اسلام کشمیر میں کسی جنگجو شہاب الدین

کے ذریعے سے نہیں پھیلا نہ محمد بن قاسم کی طرح کسی فوجی جنرل کے ذریعے سے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہاں کی نوعیت ہی اس کے برعکس بنی۔ اسلام سب سے پہلے ایک سادہ منش فقیر بلبل شاہؒ نے پیش کیا جس کی سادگی اور پاکی نے برسرِ اقتدار وقت کے حکمران کو متاثر کیا جس کا نام رینچن شاہ تھا۔ اس کا یہی کام دیگر فقراء حضرات نے ہاتھ میں لیکر آگے بڑھایا اگرچہ اس میں کبھی کسی سلطان کی وجہ سے کچھ ہیجان بھی آیا۔ مثلاً سلطان سکندر۔ لیکن اس کا عمومی پھیلاؤ صرف رشیوں کے پاک اوصاف اخلاص اور سادگی کی وجہ سے ہوا۔ جنہوں نے دنیاوی خوشیوں اور لذتوں سے اپنے آپ کو بچایا اور دوسروں کے راحت و آرام کے لئے کام کیا۔ لہٰذا جلیل القدر پیغمبر جس نے فقر پر فخر کیا۔ ان ہی فقراء نے کشمیر میں ان کے اس ایمان ویقین والی دعوت کو کشمیر میں اپنی تبلیغ کے ذریعے پھیلایا اب ہم ان علماء کی تفصیل بیان کریں گے جنہوں نے مختلف بادشاہوں کے زمانے میں دعوت وتبلیغ اور علم وادب کی خدمت انجام دی اور ہر دور میں کسی نہ کسی درجہ میں دین وشریعت کی خدمت انجام دی۔ لیکن پہلے فوقؔ صاحب کی ایک نظم ملاحظہ ہو جو سید شرف الدین کی شان میں انہوں نے تاریخ اقوام کشمیر میں لکھی ہے۔

نظم موخوذ از تاریخ اقوامِ کشمیر

بات میں دم لے ٹھہر اے موجۂ آبِ رواں ☆ تھا لبِ ساحل وہ جب محوِ عبادت یاد ہے
اے ہری پربت کی چوٹی اے ولرا ے ڈل کے موج ☆ کی جو غاروں مرغزاروں میں ریاضت یاد ہے
اے وتستا اے ندی امرت کے اے آبِ حیات ☆ وہ قیام شاہ بلبل خضر صورت یاد ہے
بلبلِ اسلام جب آیا ترے گلزار میں ☆ اے گلِ کشمیر کیا وہ دن وہ ساعت یاد ہے
دیکھنا شاہی محل سے راجہ ذی شاہ کا ☆ گھر بلا کے پھر تجھے دینا وہ دعوت یاد ہے
مسلم بے کس سے ملنا وہ شہ کشمیر کا ☆ کفر کی اسلام سے صاحب سلامت یاد ہے
صفحۂ دل سے مٹا دینا وہ نقش کفر وشرک ☆ سیکھنا اسلام کی طرزِ عبادت یاد ہے
اک بدیسی سے کیا تھا جس محبت کا سلوک ☆ اے رینچن شاہ وہ اب تک محبت یاد ہے
کلمۂ توحید پڑھ لینا وہ دل کے شوق سے ☆ اور دست شاہ بلبل پر وہ بیعت یاد ہے
جنت الدنیا میں اول تو ہی نومسلم ہوا ☆ رفتہ رفتہ ہوگئی تیری رعیت یاد ہے
آ گیا اسلام کے قبضہ میں آخر تخت بھی ☆ اکثریت پر یہ وحدت کی حکومت یاد ہے

رینچن شاہ کے دور کے علماء

(۷۲۵ھ سے ۷۲۸ھ تک)

ملا احمد علامہؒ

مولانا احمد علامہ جو حضرت سید شرف الدین کے ایک رفیق خاص تھے۔ بہت بڑے عالم تھے۔ یہ سلطان شہاب الدین کے زمانے تک موجود تھے اور فتاویٰ شہابی کے مصنف ہیں۔ بڈ شاہ کے دربار کے ملک الشعراء ملا احمد کشمیری ان ہی کے نواسے تھے۔

(نوٹ) چونکہ رینچن شاہ یا سلطان صدرالدین کے بعد پھر ایک ہندو راجہ ادین دیو بادشاہ بنا اگرچہ اس کی حکومت ایک نام نہاد حکومت ہی تھی لیکن پھر بھی پندرہ سال اور دو ماہ تک قائم رہی اس قلیل عرصے کو نظر انداز کر کے ہم کہہ سکتے ہیں کہ مسلم حکمرانوں کا دور اول صدرالدین المعروف رینچن شاہ سے شروع ہوا اور سلطان حبیب شاہ پر ختم ہوا اور ادین کو چھوڑ کر یکے بعد دیگرے ۲۶ مسلم سلاطین تخت نشین ہوئے جن میں ادین کے بعد سلطان شمس الدین کا نمبر آتا ہے ادین ۷۲۸ھ میں تخت نشین ہوا اور ۷۴۳ھ تک نام نہاد راجہ کی حیثیت سے کرسی نشین رہا۔

کشمیر میں اسلام کا چوتھا دور

سلطان شمس الدین

(۷۴۳ھ سے ۷۴۷ھ تک)

اس دور میں بھی مولانا احمد علامہؒ ہی کا نام نظر آتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ابھی کوئی علماء کی خاصی تعداد وجود میں نہیں آئی تھی اور علم وادب ابھی اپنے بچپنے میں ہی تھا۔

سلطان میرزا جمشید

(۷۴۷ھ سے ۷۴۸ھ تک)

اس مختصر وقفے میں بھی تقریباً مذکورہ بالا صورت ہی قائم رہی۔

سلطان علاؤالدین

۷۴۷ھ سے ۷۶۱ھ تک

اس سلطان کے دور کا ایک خاص واقعہ یہ ہے کہ اس کے دورِ حکومت میں سید جلال الدین مخدوم جہانیاں جہانگردؒ کشمیر آئے اور کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد لوٹ گئے ان کا یہاں تشریف لانا اسلام کی ترقی کے لئے ایک بارانِ رحمت بنا۔

چوتھے دور کے اندر تشریف لانے والے ہمدانی سادات

نمبر شمار	نام	کہاں سے آئے	سنہ آمد	سنہ وفات مقام مدفن
۱	سید تاج الدینؒ	ہمدان سے	۷۶۲ھ	شہاب الدین پورہ ملہ کواہ
۲	سید حسین سمنانیؒ	سمنان سے	۷۷۵ھ	۷۹۲ھ شہاب الدین پورہ
۳	امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ	ہمدان سے	۷۷۴ھ	۷۸۶ھ ختلان
۴	میر محمد ہمدانی	ہمدان سے	۷۹۶ھ	۷۵۴ھ ختلان

(نوٹ) سید تاج الدین جو میر سید علی ہمدانی (شاہ ہمدان کا چچیرا) بھائی تھا ۷۶۲ھ میں یہاں پہونچا جس وقت یہاں سلطان شہاب الدین حکومت کرتا تھا۔اس کے ساتھ سید مسعود اور سید یوسف تھے جو اسکے مرید تھے اور جو محلّہ شہاب الدین پورہ میں اسکے مقبرے کے قریب دفن ہیں

سید حسین سمنانی، جو سید تاج الدین کا چھوٹا بھائی تھا۔جو بذات خود شیخ رکن الدین کا ایک خلیفہ تھا اور یہاں ۷۷۳ھ میں آیا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دو بھائی تاج الدین اور سید حسین کو سید علی ہمدانی نے کشمیر اس لئے بھیجا تھا تا کہ وہ تبلیغ اسلام کے لئے جائزہ لیں۔اور دوسرا مقصد یہ بھی تھا کہ ایک پر امن رہائش بھی مل جائے تا کہ تیمور کے مظالم سے نجات پایا جائے۔جوکئی سیاسی مصلحتوں کی بنا پر ان کے ساتھ کئے جاتے تھے اور جو اس بات پر کمر کسا ہوا تھا کہ اس کے ملک میں سادات کا قتل عام کیا جائے۔

سلطان شہاب الدین

۷۶۱ھ سے ۷۸۰ھ تک

ان کے دور کی شخصیات میں سے مشہور عارفہ شاعرہ لل دید،اور حضرت نور الدین ریشی تھے۔اسی زمانے میں مشہور عالم دین اور پیشوا حضرت امیر کبیر سید علی ھمدانیؒ تشریف فرما ہوئے۔چار مہینے یہاں قیام کر کے واپس تشریف لے گئے۔اسلامی عقائد اور احکام کو پھیلایا۔اسی دور میں ملا احمد علامہ نے

فتاویٰ شہابی باضابطہ مرتب کی جس کا تذکرہ اوپر تیچن شاہ کے دور میں بھی ہوا۔

چوتھے دور کے اہم واقعات

اسلام میں داخل ہونے کی مہم کی مزید حوصلہ افزائی سادات کی تشریف آوری کی وجہ سے ہوئی۔جن میں ممتاز ترین شخصیتیں یہ تھیں:

۱۔سید تاج الدین جو میر سید علی ہمدانیؒ (شاہِ ہمدان) کا چچیرہ بھائی تھا ۷۶۰ھ میں یہاں پہنچا جس وقت یہاں سلطان شہاب الدین حکومت کرتا تھا اس کے ساتھ سید مسعود اور سید یوسف تھے۔جو اس کے مرید تھے اور جو محلّہ شہاب الدین پورہ میں اس کے مقبرے کے قریب دفن ہے۔

۲۔سید حسین سمنانی، جو سید تاج الدین کا چھوٹا بھائی تھا جو بذات خود شیخ رکن الدین کا ایک خلیفہ تھا اور یہاں ۷۷۳ھ میں آیا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دو بھائی تاج الدین اور سید حسینؒ کو سید علی ہمدانیؒ نے کشمیر اس لئے بھیجا تا کہ وہ تبلیغ اسلام کے لئے جائزہ لیں اور دوسرا مقصد یہ بھی تھا کہ ایک پر امن رہائش بھی مل جائے تا کہ تیمور کے مظالم سے نجات پایا جائے۔جوکئی سیاسی مصلحتوں کی بنا پر ان کے ساتھ کئے جاتے تھے اور جو اس بات پر کمر کسا ہوا تھا کہ اس کے ملک میں سادات کا قتل عام کیا جائے۔

سلطان قطب الدین

۷۸۰ھ تا ۷۹۶ھ

ان کے زمانے میں امیر کبیرؒ دوسری مرتبہ کشمیر تشریف لائے۔آپ نے اپنے ساتھ سات سو رفقاء لائے۔اس مرتبہ چھ ماہ یہاں قیام کیا۔واپس تشریف لینے کے بعد بادشاہ اور عوام کی تعلیم و تربیت کے لئے یہاں بہت سارے رفقاء چھوڑے۔آپ نے بادشاہ کو تصوف کی تعلیم دی۔بادشاہ نے قطب الدین پورہ میں ایک بڑا مدرسہ قائم کیا۔جہاں شیخ سلیمان جیسے عالم قرآن اور علم تجوید کے ماہر پیدا ہوئے۔ان کو امام القراء کا لقب ملا تھا۔دار العلوم میں طلباء کے قیام اور تعلیم کا انتظام بھی تھا۔امیر کبیرؒ نے واپس جانے کے بعد ان افراد کو یہاں پر لوگوں کی تعلیم و تربیت کے لئے چھوڑا جو اپنی بزرگی کے ساتھ ساتھ علم فن میں ایک خاص حیثیت رکھتے تھے۔ان کے اسماء گرامی اس طرح ہیں:۱۔پیر حاجی محمد قاری ۲۔سید جلال الدین عطائی،ان کا نام دیگر مقامات پر سید جمال الدین عطائی آیا ہے اور میری

تحقیق کے مطابق ان کا نام جمال الدین ہی ہے ممکن ہے کہ جلال الدین ان کا لقب ہو جو اس دور میں عام طور پر بزرگوں کے ساتھ ان کے ذاتی اوصاف کی بنیاد پر ان کے ناموں کے ساتھ لگایا جاتا تھا مقامی طور پر لوگ ان کو جمال الدین عطاریؒ کہتے ہیں لیکن تذکروں میں عطاری کے بجائے عطائی لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ وہ موجودہ کچھامہ کے نزدیک بمقام جیتہر پرگنہ شیر مدفون ہیں۔ یہاں پر اس بات کا اعادہ کرنا بے محل نہ ہوگا کہ شیری میر ہری کے نزدیک واقعہ اس زمانے کے جیتہر کو سکھوں کے دور سے فتح گڈھ کہتے ہیں اور یہ تحصیل بارہمولہ کا ایک مشہور گاؤں ہے لہذا احقر کے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ ان کا اصل نام سید جمال الدین عطائیؒ ہے اور قبر شریف قدیم جیتہر یا موجودہ فتحگڈھ میں واقع ہے ان کے ساتھ ان کے کنبہ کے سو افراد بھی ہجرت کر کے اسی علاقہ میں مدفون ہیں جن میں مستورات بھی شامل ہیں جن کو لوگ بی بی صاحبہ کے نام سے یاد کرتے ہیں مناسب وقت پر ’’علاقہ نارواؤ بارہمولہ کے سادات‘‘ کے تزکرہ میں ان کی کچھ مزید تفصیلات بیان کی جائیں گی احقر نے کئی صوفی بزرگوں کو یہاں کے روحانی فیض سے استفادہ کرنے کے لئے اس زیارت پر حاضری دیتے دیکھا ہے۔۳۔ مولانا احمد سید کمال الدین ۴۔سید جمال الدین محدث ۵۔ سید کمال الدین ثانی ۶۔سید فیروز ۷۔ سید محمد کاظم ۸۔سید رکن الدین ۹۔سید فخر الدین ۱۰۔سید محمد قریشی ۱۱۔ سید احمد قریشی ۱۲ سید بہاؤالدین ۱۳۔سید کبیر بیہقی ۱۴۔ پیر حاجی قاری (پیر حاجی محمد قاری سلطان قطب الدین کے دارالعلوم کے صدر تھے اور وہ فارسی کے ایک بلند پایہ شاعر بھی تھے۔سید محمد کاظم حضرت امیر کبیر کے قطب خانہ کی دیکھ بال کرتے تھے۔امیر کبیر نے اشاعت دین کے لئے اپنے رفقاء کو مختلف دیہات اور گاؤں کی طرف روانہ کیا۔ چنانچہ سید محمد قریشی بیجبہاڑہ میں مقیم ہوئے ۔ جہاں انہوں نے ایک بڑی مسجد تعمیر کروائی ۔سید جمال الدین عطائیؒ کو پرگنہ شیر کے ایک دیہات جیتہر موجودہ فتح گڈھ نارواؤ بارہمولہ میں ٹھہرایا جہاں ان کی کوشش سے اسلامی تعلیمات کے اس علاقے اور اطراف واکناف میں پھیلنے میں بڑی مدد ملی۔خود سلطان قطب الدین اور اس کے اہل وعیال کی تعلیم وتربیت کے لئے سید کمال الدین کو مقرر کیا۔امیر کبیر نے عوام کی رہبری اور رہنمائی کے لئے کئی کتابیں لکھیں جو کچھ عربی اور زیادہ تر فارسی میں ہیں اور یہ سارے رسالے سرینگر کے محکمہ ریسرچ کے کتب خانے میں موجود ہیں۔

سلطان سکندر

۷۹۶ھ سے ۸۲۰ھ تک

سکندر علماء، شعراء اور دینی داعیوں کی بڑی قدر کرتا تھا۔جامع مسجد کے قریب ایک مدرسہ قائم کیا۔مدرسے کا صدر میر محمد علی بخاری کو بنایا۔ملا محمد یوسف کشمیریؒ مدرسہ میں فارسی کا درس دیتا تھا۔ریاضی ملا صدر الدین کاشی پڑھاتا تھا۔مولانا سید حسین منطقی منطق ،ملا محمد افضل بخاری ،حدیث پڑھاتا تھا۔ان ہی کے دور میں بلخ کا حاجی ابراہیم یہاں آیا۔اور علم وحکمت کی اشاعت کی۔ان ہی کے دور میں میر محمد ہمدانی کشمیر تشریف لائے۔ان کے ساتھ تین سو فضلاء تھے۔سکندر کا وزیر سہہ بٹ میر محمد ھمدانی کے ہاتھ پر ایمان لایا۔اور اس کا نام سیف الدین پڑا۔یہ کسی کو بے ایمان نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔لہذا اس کی وجہ سے کئی غیر مسلموں کو تکلیف پہنچی۔جب سلطان سکندر نے منع کیا تو یہ بات سلطان کی بدنامی کا باعث بنی۔سید میر محمد نے سکندر کو تصوف کی تعلیم بھی دی۔میر محمد نے بقیہ ساری عمر کشمیر میں گزاری۔آپ اور آپ کے رفقاء نے اپنی دعوت سے دین اور فارسی زبان کو بہت فائدہ پہنچایا۔ان کے زمانے میں امیر تیمور ظاہر ہوا اس نے چناب کے قریب سکندر کے نام اپنا حکم بھیجا۔سکندر اس سے ملنے کے لئے بارہ مولہ پہنچا تو معلوم ہوا کہ تیمور سمرقند کی طرف چلا گیا۔واپس راجدھانی آیا۔اپنے بیٹے شاہی خان کو (جو بعد میں سلطان زین العابدین یا بڈشاہ کے نام سے مشہور ہوا) سفیر بنا کر سمرقند روانہ کیا۔جہاں وہ سات سال رہا۔اور تیمور کے انتقال کے بعد واپس لوٹا۔سکندر سید محمد بیہقی اور سید تاج الدین کا بڑا احترام کرتا تھا۔سکندر کے انتقال کے وقت کشمیر میں شعراء اور علماء کی ایک بہت بڑی تعداد تھی۔

میر سید علی ہمدانیؒ

شاہِ ہمدان کی شخصیت نے جو غیر معمولی اثرات اسلام کے پھیلاؤ کے سلسلے میں یہاں پر مرتب کئے اس کو مدنظر رکھتے ہوئے شاہِ ہمدان کے متعلق کچھ تفصیلی وضاحت ضروری ہے۔

یہ عظیم سیّد سوموار کو ۱۲ رجب ۷۱۴ھ مطابق ۱۳۱۴ء ملک فارس کے ہمدان شہر میں تولد ہوئے۔اس کے باپ کا نام سید شہاب الدین تھا۔شاہ ہمدان ابتدائی بچپن میں ہی حافظ قرآن بن گئے اور علوم دینیات پڑھ لئے اور عالم بن گئے اور سید علاء الدین کی نگرانی میں علم تصوف حاصل کیا جو اس کی والدہ کا چچا تھا۔سب سے پہلے وہ شیخ عبدالبرکات تقی الدینؒ کے مرید بن گئے اور اس کی وفات کے بعد شیخ شرف الدین محمود مزدقانیؒ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوگئے شیخ شرف الدین نے ان کو اپنے علوم کو تکمیل

تک پہنچانے کے دنیا کے وسیع اسفار کرنے کی ترغیب دی جو شاہِ ہمدان نے کیئے اور اس کے بعد کئی ممالک کا سفر کیا۔ وہ اکیس سال تک اسفار میں مشغول رہے اور اس دوران انہیں اس وقت کے بہت سے صوفیاء کرام اور علماء کرام کیے ساتھ شرف صحبت رہا اور انکی صحبت سے مستفید ہوگئے۔ اپنے اسفار مکمل کرنے کے بعد شاہِ ہمدان آبائی مقام پر تشریف لائے۔ ان کی باز تشریف آوری کے بعد یہ ہوا کہ تیمور بادشاہ کی ایذا رسانی نے انہیں وطن مالوف سے کشمیر کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور کیا۔ کہا جاتا ہے کہ سات سو سادات نے ان کے ساتھ ہمراہی کی اور اس وقت وادی کا حکمران سلطان شہاب الدین تھا یہ عیسوی سنہ کے مطابق ۱۳۷۲ء بن جاتا ہے۔ اس وقت برسر اقتدار بادشاہ ایک فوجی مہم پر تغلق کے خلاف گیا تھا اور قطب الدین جو اس کا بھائی تھا اور جو بعد میں برسر اقتدار بھی آ گیا تھا اپنے بھائی کی طرف سے حکومت کا کام انجام دیتا تھا۔ چار ماہ قیام کرنے کے بعد شاہِ ہمدان فیروز پور پنجاب کیطرف عازم ہوا جو معرکہ کارزار بن گیا تھا اور محارب یعنی شریک جنگ لوگوں کو امن قائم کرنے کے متعلق آمادہ کیا۔ اس کے بعد شاہِ ہمدان مکہ گئے اور وادی میں ۷۸۱ھ میں واپس تشریف لائے۔ اس وقت سلطان قطب الدین حکومت سنبھالے ہوئے تھا۔ ڈھائی سال کے وقفے کے بعد وہ ۷۸۳ھ میں لداخ چلے گئے جو ترکستان کی طرف جانے میں راستے میں آتا تھا۔ شاہِ ہمدان کا تیسرا سفر ۷۸۵ھ میں ہوا۔ لیکن انہیں یہ سفر صحت کی خرابی کی وجہ سے چھوڑنا پڑا اور پکھلی میں قیام کیا۔ پکھلی پنجاب کا ایک پرانا ضلع تھا جو اس وقت شمال مغربی فرنٹیئر کے ہزارہ ضلع میں آتا ہے۔ سید نے اس جگہ وہاں کے مقامی حکمران سلطان محمد کی گذارش پر دس دن قیام کیا۔ پکھلی سے وہ ختلان گئے۔۔ مختصر قیام کے بعد یکم ذی الحج ۷۸۶ھ میں وہ بھر بیماری میں مبتلا ہو گئے اور پانچ دن تک کچھ نہیں کھایا۔ پانچ ذی الحج منگل کے دن انہوں نے کئی مرتبہ پانی پیا اور اسی دن رات کے وقت وہ رحمت حق ہو گئے۔ اس وقت سید کی عمر ۷۲ سال تھی وقت رحلت ان کے ہونٹوں پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تھا۔ اور یہ ایک عجیب و غریب واقعہ ہے کہ ابجدی حساب کے اعتبار سے اس آیت کے ذریعے وہی تاریخ بن جاتی ہے جو سید کا یوم وفات ہے۔ وہ ختلان میں دفن کیئے گئے۔ شاہِ ہمدان نقشبندی طریقہ کا اتباع کرتے تھے اور انہوں نے ذخیرۃ الملوک لکھی جو سیاسی علوم پر ایک اچھا رسالہ یا مقالہ ہے۔ شاہِ ہمدان کے ذریعے وادی کے لوگوں کا اسلام قبول کرنا ایک ناقابل تردید حقیقت ہے اس کا اتباع کرنے والے جن میں (۱) میر سید حیدر (۲) سید جمال الدین

(۳) سید کمال (۴) سید کمال ثانی (۵) سید جمال الدین عطائی (۶) سید فیروز سید جلال (۷) سید مہد کاظم (۸) سید رکن الدین (۹) سید محمد قریشی (۱۰) سید عزیز اللہ نے تمام ملک کشمیر میں خانقاہیں قائم کیں جو ان کے مذہب کے بارے میں مراکز کا کام دیتے تھے اور ان کے اثر و رسوخ سے ایمان اور اسلام کو قبول کرنے کا رجحان بڑھ گیا جس کے داعی عرب کے پیغمبر اسلام تھے۔

دو مشہور واقعات

دو معروف واقعات جس میں دو معروف سوقت کے سنیاسی ایک روحانی مقابلہ آرائی کے بعد معہ ان کے ماننے والوں کے اسلام میں داخل ہوئے۔ بظاہر سبب اس کا یہی بنا کہ ملا راجی لوگوں نے سید کی عظمت تسلیم کی۔ شاہِ ہمدان کی موجودہ زیارت کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اسی جگہ کھڑی کی گئی جہاں ان دو معرکوں میں سے ایک معرکہ ہوا تھا۔ زیارت واقعی امیر کبیر کی گوشۂ تنہائی اور خشوع خضوع والی جگہ کی نمائندگی کرتی ہے جو دریا کے کنارے پر ہے۔ سلطان قطب الدین نے بذات خود امیر کبیر کی بڑائی تسلیم کی جس کے لئے سلطان قطب الدین کا یہ واقعہ بطور شہادت کے پیش کیا جاتا ہے جس نے اسلامی شریعت کے برعکس دو بہنوں کے ساتھ ایک ہی وقت شادی کی تھی۔ صرف شاہِ ہمدان کی نصیحت کی بنیاد پر ایک بیوی کو طلاق دے دی۔ سلطان نے لباس کے اعتبار سے وہی رخت اختیار کیا جو اس وقت مسلمان سلطنتوں میں رائج تھا اور اس ٹوپی کا ان کو اتنا احترام تھا جو سید نے ان کو عطا کی تھی ۔ کہ وہ اس کو ہمیشہ اپنے تاج کے نیچے پہنتا تھا۔ یہ ٹوپی بعد میں جانشین بادشاہوں کو دی جاتی تھی اور پھر سلطان فتح شاہ کے وقت ان کے ساتھ دفن کی گئی جس کی وصیت مرنے سے پہلے سلطان نے کی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ کسی نے پیش گوئی کی تھی کہ ٹوپی کا دفن کرنا خاندان کی حکومت دفن کرنے کے مترادف ہوگا۔ اور یہ حسن اتفاق کی بات ہے کہ خاندان کی حکومت کا خاتمہ بھی اسی دوران ہوا اور چک خاندان نمودار ہو گیا

میر محمد ہمدانیؒ

سید میر علی ہمدانیؒ کا فرزند میر محمد ہمدانی ۲۲ سال کی عمر میں ۷۹۶ھ میں کشمیر میں تشریف لائے۔ جب سلطان سکندر شہنشاہیت کا لباس پہنے ہوئے تھے۔ ان کے ہمراہ تین سو سادات تھے۔ چونکہ شاہ ہمدان

کے ساتھ پہلے ہی سات سو سادات کشمیر تشریف لائے تھے۔اب ان تین سو کی تشریف آوری سے ان کی تعداد ایک ہزار بن گئی جو ترکستان سے یہاں آئے۔

میر محمدؒ ۷۷۴ھ میں پیدا ہوئے اور اس وقت ان کی عمر صرف ۱۲ سال کی تھی جب ان کے والد مرحوم اس دنیا سے چل بسے۔کہا جاتا ہے کہ ختلان میں اپنی وفات سے قبل دو تحریریں خلافت نامہ اور وصیت نامہ کے عنوان سے مولانا سرایی کے حوالے کیں تھیں کہ ان کی وفات کے بعد انہیں خواجہ اسحاق ختلانی اور نورالدین جعفرؒ بدخشی کو پہنچادیں۔جب یہ دونوں بزرگ میر محد ہمدانی کے پاس تعزیت کے لئے آئے تو موصوف نے پدر نامدار کی یاداشت طلب کیں۔خواجہ صاحب نے وصیت نامہ ان کے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ دوسری تحریر کا سزاوار وہ جو طلب حق میں مطلوبیت کا مقام پالے اور خادمیت سے مخدومیت کے درجے کو پہنچے۔ابھی خلافت نامہ کی تحویل کا وقت نہیں آیا اور جب یہ موقع آئے گا تو آپ کے والد بزرگوار کا خلافت نامہ آپ کو دے دیا جائے گا۔روایت ہے کہ اسی وقت سے لیکر محمد ھمدانیؒ میں تغیر ہوا اور آپنے مقامات سلوک طے کرنے کا فیصلہ کرلیا آپ نے تین سال اور پانچ ماہ خواجہؒ کی خدمت میں رہ کر منازل سلوک طے کیں اور بعد ازاں نورالدین جعفر بدخشیؒ سے آداب طریقت سیکھے اور سولہ برس کی عمر میں اجازت ارشاد حاصل کی اور رشد و تربیت کی مسند پر جاگزیں ہوئے۔

کشمیر پہنچنے کے بعد سلطان سکندر نے میر محمد ہمدانی کا زبردست استقبال کیا۔سکندر کے وقت سہہ بٹ وزیر اعظم اور فوج کا کمانڈر تھا جو پہلے برہمن تھا اور مذہب تبدیل کیا تھا جو بظاہر میر محمد ہمدانی کی شخصیت سے زبردست متاثر ہوا تھا اور اپنے تمام کنبہ کے ساتھ اسلام میں داخل ہوا تھا میر محمد جس کی پہلی بیوی رحلت کر چکی تھی سہہ بٹ کی طرف سے ان کو اپنی بیٹی کی پیشکش ہوئی جس کا نیا نام بی بی بارعہ تھا جو اسلام میں داخل ہونے کے بعد سہہ بٹ نے رکھا تھا۔سہہ بٹ کا اپنا ذاتی نام سہہ بٹ کے بجائے ملک سیف الدین رکھا گیا۔میر محمد کی تشریف آوری کے بعد شراب کی کشید اور خرید و فروخت پر پابندی لگادی گئی۔ستی کی رسم ممنوع قرار دی گئی، جوے پر پابندی لگادی گئی، ناچ گانے بند کئے گئے۔میر محمد کے پاس ایک سرخ رنگ کا لعل تھا جو اس نے سکندر کو دیا۔جس نے بدلے میں تین بڑے گاؤں بطور جاگیر کے عطا کئے۔جس کو سید نے بطور وقف لنگر خانہ رکھا۔یہ وقف نامہ سلطان کی منظوری سے حسن شاہ صاحب نے نقل کیا ہے جو کشمیر کا ایک معروف تاریخ نویس ہے میر محمد ہمدانی نے کشمیر میں بائیس سال قیام کیا پھر

۸۱۷ھ میں حج کے لئے چلے گئے ۱۷ ربیع الاول ۸۵۴ھ میں رحمت حق ہوئے اور اپنے والد صاحب کے قریب ہی دفن کئے گئے۔

ریشیانِ کشمیر

جہانگیر اپنی آپ بیتی میں لکھتا ہے کہ اگرچہ رشی لوگوں کو مذہبی علم نہیں یا کسی کی دوسری مہارت پھر بھی ان کے اندر سادگی پائی جاتی ہے اور وہ تصنع سے پاک ہیں۔وہ کسی کو گالی نہیں دیتے ہیں۔انہوں نے زبان کو لگام دی ہے۔وہ گوشت نہیں کھاتے ہیں۔ان کی بیویاں نہیں ہیں اور ہمیشہ ثمر دار درخت کھیتوں میں نصب کرتے ہیں تاکہ عوام ان سے فائدہ اُٹھائیں اور خود کو ان درختوں سے منتفع ہونے کی کوئی خوائش نہیں رکھتے ہیں۔اس قسم کے یہاں دو ہزار لوگ ہیں تاریخ فرشتہ اور ابوالفضل نے بھی اس جماعت کی اونچے درجے کے الفاظ میں تعریف کی ہے۔وہ عشرت والی زندگی سے پرہیز کرتے تھے وہ سنزیوں اور پہاڑی اور جنگلی میوؤں پر گذارہ کرتے تھے۔

صوفیائے کرام اور ریشیانِ کرام مثلاً شیخ نورالدینؒ، بابا پام ریشیؒ، بابا بام الدینؒ، شیخ حمزہ مخدومیؒ، سید احمد کرمانیؒ، سید محمد حصاریؒ اور بابا زین الدین جیسے بزرگوں کی وجہ سے تمام وادی آہستہ آہستہ حلقہ بگوش اسلام ہوگئی۔شیخ نورالدینؒ کشمیر کا ایک عظیم قومی صوفی بزرگ ہے۔اس لئے ان کی زندگی کے متعلق کچھ وضاحت بے محل نہ ہوگی۔

شیخ نورالدینؒ

شیخ نورالدینؒ کیموہ نامی گاؤں میں ۷۷۹ھ میں پیدا ہوئے۔ان کے باپ کا نام شیخ سالار الدین تھا۔اور ماں کا نام سدرہ تھا۔لوگ اس کو سدرہ موجی یا سدرہ دیدی کے نام سے پکارتے تھے۔دونوں اپنی پاکی کی وجہ سے مشہور تھے۔شیخ سالار الدین کا نام اسلام قبول کرنے سے پہلے سالار سنز تھا اور وہ کشتواڑ کے راجہ خاندان کے ساتھ اپنا خاندانی تعلق رکھتے تھے۔سالار سنز نے یاسمن ریشی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔جو پلاسمن ریشی اور خلاصمن ریشی کا چھوٹا بھائی تھا۔یاسمن ریشی نے دور دراز مقامات کے سفر کئے اور اکثر اوقات جنگلوں میں رہا کرتے تھے۔اور کہا جاتا ہے کہ وہ شیر کو اپنی سواری کے لئے استعمال کرتے تھے۔اس کی روزانہ کی خوراک جنگلی بکری کے دودھ کا ایک پیالہ ہوتا تھا۔سدرہ ایک اونچے درجے کے راجپوت خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔لیکن اس کے والدین چونکہ بہت پہلے ہی

فوت ہو چکے تھے لہذا اس کی پرورش اس کی دودھ پلانی والی دایہ نے کی۔ وقت گذرنے پر اس کی شادی ایک شریف النفس آدمی کے ساتھ کی گئی جس سے اس کو دو بچے پیدا ہوئے۔ ایک کا نام شش تھا اور دوسرے کا نام گُندر تھا۔ چند سال کے بعد اس کا خاوند مر گیا اور وہ اکیلی رہ گئی۔ چونکہ وہ فطرتاً ایک مذہبی ذہن رکھنے والی عورت تھی لہذا وہ یاسمن ریشی کی طرف مائل ہوئی اور اسلام قبول کیا۔ پھر دوبارہ اس کی شادی اس کے رضاعی باپ اور یاسمن ریشی کی خواہش پر سالار الدین کے ساتھ ہوئی۔

ایک دفعہ یاسمن ریشی بیمار تھا۔ سالار الدین اور سدرہ اس کی زیارت کے لئے چلے گئے للہٰ جو ایک بڑی عارفہ تھی بھی وہاں حاضر تھی اور اس کے ساتھ ایک پھول مالا تھی جو اس نے اسی کے لائی تھی ۔لیکن جب سدرہ رشی کے پاس پہنچی اس نے للہٰ عارفہ کی پھول مالا اس کو دے دی۔ اور کہا جاتا ہے کہ جب شیخ نورالدین پیدا ہوا اور وہ اپنی ماں کا دودھ نہیں پیتا تھا۔ للہٰ کو بلایا گیا اور تعجب خیز انداز میں نور الدین اس کے ساتھ لپٹ گیا اور اس کی چھاتی سے دودھ پیا۔ لہذا بچہ للہٰ کے ساتھ رکھا گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب سید حسین سمنانی کشمیر میں تھا۔ للہٰ کے ذریعے بچہ سید صاحب کے پاس لایا گیا۔ شاہ ہمدان بھی بعد میں آیا۔ لہذا ارد گرد میں بڑا خوشگوار روحانی ماحول تھا جس میں شیخ کی تربیت ہوئی اور ان ہی وجوہات کی بنا پر اور اس نورانی موحول کی برکت کی وجہ سے آئیدہ آنے والے دنوں میں وہ کشمیر کے تمام صوفیائے کرام کا سرپرست بن گیا۔ جب نورالدینؒ بڑا ہو گیا۔ اسکے سوتیلے بھائیوں نے اس کو تنگ کرنا شروع کیا۔ وہ بدمعاش تھے اور یہ صوفی تھا۔ ایک دو دفعہ وہ کام کاج کے لئے اُن کے ساتھ چلا گیا اور اس نے محسوس کیا کہ وہ ان کے ساتھ رہ کر کام کاج نہیں کر سکتا ہے۔ ایک دو دفعہ وہ تجارت سیکھنے کے لئے تجار کے سپرد کیا گیا۔ لیکن وہاں پر بھی اس نے کراہت و نفرت محسوس کی۔ فیصلہ کیا کہ وہ دنیاوی مشغولیات سے قطع تعلق کرے۔ اور گھپاؤں کی طرف ریاضت کے لئے چلا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ بارہ سال تک اس حالت گوشہ نشینی میں گھاس کھاتا رہا۔ اس کے بعد روزانہ ایک دودھ کا پیالہ اسکی خوراک بنا اور آخر کار صرف پانی پر اپنا وجود تقریباً ڈھائی سال قائم رکھنے پر قانع بنا۔ جب کہ وہ زین العابدین کے دور حکومت میں ۸۴۲ھ میں ۸۳ برس کی عمر میں فوت ہوا۔ شمس العارفین الفاظ سے اس کا تاریخ وفات بنتا ہے ۔ بادشاہ اس کے جنازے میں اور قبر میں اتارنے خود شریک ہوا۔ شیخ نورالدین کی زیارت سرینگر سے ۱۵ میل کے فاصلے پر چرارِ شریف میں ہے۔ آج کل ہزاروں لوگ وہاں زیارت کے لئے جاتے ہیں

۔شیخ نوالدین کی سادگی اور اخلاص نے کشمیری لوگوں کو انتہائی متاثر کیا ہے۔ اور وہ اس بلند قامت صوفی کی بہت عزت و تکریم کرتے ہیں اس کی زندگی کے واقعات اور لطائف وادی میں لوگوں کی زبان زد عام ہیں۔ شیخ نورالدین باغات کا کثرت سے سیر کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک مرید کے ساتھ باغ میں جاتے ہوئے وہ ٹھہر گئے اور بلکل حرکت بند کی۔ جب مرید یا شاگرد نے انہیں چلنے کے لئے کہا۔ تو انہوں نے جواب دیا ''ہر لحمہ جو میں وہاں اس باغ میں خرچ کروں گا وہ جنت میں میرے قیام میں کم ہوگا۔'' (دراصل یہ شیخ پر فکرِ آخرت کا غلبہ تھا۔ دوسرے موقعہ پر جب وہ ایک دعوت میں مدعو کئے گئے تو وہ پھٹے پرانے کپڑوں میں چلے گئے اور وقت مقررہ سے پہلے ہی گئے۔ مالک مکان کے خدام نے ان کو نہیں پہچانا لہذا داخلہ کی اجازت نہ ملی۔ شیخ واپس آئے اور گھر پر کھانا کھایا جب سب لوگ اس شاندار شام کے کھانے میں بیٹھے تو شیخ کو لانے کے لئے خصوصی اہتمام کیا گیا۔ وہ اس وقت ایک شاندار چوغے (کشمیری فہرن) میں آئے اور ان کو عزت کی مسند پر بٹھایا گیا۔ بجائے اس کے کہ شیخ کھانے میں شریک ہو جاتا۔ اپنے بازو کی آستین کو پلیٹوں میں ڈبونے لگا۔ لوگ یہ دیکھ کر حیران ہو گئے اور وجہ اس کی پوچھی۔ اس نے جواب دیا کہ دعوت دراصل نورالدین کے لئے نہیں تھی بلکہ لمبی آستین والوں کے لئے اور خوش پوشاک لوگوں کے لئے تھی یہ تھا مزاج سادگی کا۔ کشمیر کے اس صوفی منش درویش کا جس نے دعوت اسلام کو کشمیر میں چار چاند لگائے۔

سلطان علی شاہ

۸۲۰ھ سے ۸۲۷ھ تک

اس بادشاہ کے زمانے کی زیادہ تفصیلات معلوم نہیں ہوئیں

سلطان زین العابدین

۸۲۷ھ سے ۸۷۹ھ تک

اس کو بڈ شاہ بھی کہتے ہیں۔ اچھی تعلیم حاصل کی تھی۔ استاد کا نام مولوی کبیر تھا۔ اس کو ہرات سے بلا کر شیخ السلام (**Venerable Personalaty in Islam**) کی خدمت سپرد کی۔ اس بادشاہ کے دربار میں اس عہد کے سربرآوردہ علماء، شعراء اور ادیب جمع تھے۔ کشمیر کے علاوہ ایران ،ترکستان سے بھی علماء آتے تھے۔ اس کے دربار میں جو عالم تھے ان کی فہرست طویل ہے چند حضرات

کے نام درج ذیل ہیں: ملا احمد کشمیری، مولوی کبیر، ملا پارسا، مولانا قادری، ملا ضیائی ملا ندیمی، ملا فصیحی، ملا جمیل، ملا احمد رومی، ملا محمد رومی، ملا نورالدین، ملا علی شیر رازی، مولانا حسین غزنوی، مولانا سید محمد منطقی، ملا حافظ بغدادی، مولانا جمال الدین، قاضی میر علی، سید ناصر الدین بیہقی، ان میں سے چند حضرات علماء اور مشائخین میں بلند مقام رکھتے ہیں۔ سلطان زین العابدینؒ نے قاضی جمال الدین کو قاضی مقرر کیا تھا۔ ملا حافظ بغدادی کو سلطان نے دربار کا رکن بنالیا تھا۔ اور ان کا بیشتر وقت درس وتدریس میں صرف ہوتا تھا۔

صوفیوں میں حضرت نور الدین ریشی، حضرت بہاؤالدین گنج بخش اور سید ناصر الدین بیہقی سربرآوردہ تھے۔ حضرت نور الدین ریشیؒ صوفیوں کے ''ریشیہ سلسلے'' کے بانی مبانی تھے۔ آپ کا مقصد گوشہ نشینی، عبادت اور رشد وہدایت کے ذریعے خدمت خلق تھا۔

سلطان زین العابدین نے نوشہرہ میں ایک دارالعلوم کی بنیاد رکھی تھی جو فارسی اور عربی علوم کی اشاعت کا بڑا مرکز بن گیا۔ اس مدرسہ کے روح رواں مولانا عبدالکبیر صاحب تھے انہوں نے ''شرحِ ملا'' کی تفسیر بھی لکھی تھی مدرسہ کے دوسرے اساتذہ میں ملا پارسا بھی تھے۔ وہ بڑے عالم اور متقی انسان بھی تھے اور اپنا سارا وقت خانقاہ امیریہ میں گوشہ نشینی اور اوراد و وظائف میں گذارتے تھے۔ سید حسن منطقی کے بارے میں محمد اعظم کا بیان ہے کہ:

''مظہر فیوض الٰہی ومصدر کمالات نامتناہی بود در عہد او کسے براو فوقیت نداشت''

ترجمہ اللہ تعالیٰ کے فیض کو ظاہر کرنے والا اور بے انتہا کمالات رکھنے والا تھا۔ اس کے زمانے میں کوئی شخص ان سے افضل نہیں تھا۔

سلطان نے ایک دارالترجمہ بھی قائم کیا تھا جس میں ملا احمد کشمیری اور دارالعلوم کے دیگر علماء ترجمہ کی خدمت انجام دیتے تھے۔

حیدر شاہ

اس بادشاہ کو فارسی شاعری سے لگاؤ تھا۔ اپنی فارسی نظموں کا مجموعہ مرتب کیا۔ لیکن اب دستیاب نہیں۔

سلطان حسن شاہ

اس کے دور میں علم وادب کو بہت ترقی ہوئی۔ اس کے زمانے میں ایران اور ترکستان سے علماء کشمیر آتے رہے۔ فلسفہ کے ساتھ دلچسپی تھی۔ سلطان کی والدہ گل خاتون نے ڈل کے کنارے پکھری بل میں ایک

عالی شان مدرسہ تعمیر کیا۔ جس کے کمروں کی تعداد تین سو ساٹھ بتائی جاتی ہے۔ اس مدرسہ کے صدر بابا اسماعیل کبروی تھے۔ اس زمانے کے مشہور عالم سید حسین بیہقی نے ایک کتاب ''ہدایت الاعمیٰ'' لکھی جو اسلامی عقائد ومسائل کے بارے میں ہے۔ شریعت پر چلنے کی تلقین کرتے ہیں۔ ان کا ایک شعر ہے ؎

جُز راہ شریعت تو نیابی راہ ☆ در شرع روای جوان وای پیر شنو

(ترجمہ) تو شریعت کے بغیر راستہ نہیں پائے گا۔ شریعت پر چل۔ اے جوان اور اے بزرگ یہ نصیحت سن۔

خواتین بھی علم دوست تھیں۔ جن میں سے گل خاتون، حیات خاتون کی طرح زاہدہ خاتوں بھی ایک علم دوست شخصیت کی مالک تھی ان کی ایک کہاوت ہے:

''ہر کہ از بود وار ہیدہ، از اندوہ رستہ، واز غم بیم جستہ''

ترجمہ) جس نے اپنی ہستی کو مٹایا، تکالیف سے چھٹکارا پایا اور غموں سے رہائی پائی۔

اسی طرح شیخ نور الدین کے حلقہ ارادت میں دہت بی بی اور بہت بی بی مشہور ہیں۔

حسن شاہ کے زمانے میں میر شمس عراقی کی آمد

اسی بادشاہ کے زمانے میں ۸۸۲ھ میں میر شمس عراقی کشمیر خراساں کے حکمران سلطان حسین مرزا کی طرف سے سفیر بنا کر آیا۔ بادشاہ کے لئے کچھ تحائف بھی لایا۔ اسی دوران بادشاہ مر گیا اور اس کے بعد میر شمس عراقی آٹھ سال تک کشمیر میں رہا۔ تو ظاہری طور پر بابا اسماعیل کے مریدوں میں داخل ہوا یہ بابا اسماعیل سلطان حسن شاہ کا پیر طریقت تھا۔ اور اندر اندر سے بابا علی بخار کو شیعہ مذہب کیطرف آمادہ کیا اور خود خراسان کی طرف واپس چلا گیا۔ پھر دوبارہ فتح شاہ بادشاہ کے زمانے میں واپس آیا اور بھرپور طریقے سے شیعہ مذہب کو رواج دیا۔ شیعہ عقائد کی اشاعت کشمیر کے امراء اور عوام کے اختلافات کی ایک وجہ اور سبب مخاصمت بن گئی۔ شہمیری خاندان کی حکومت کا ظاہری سبب یہ بنا کہ چک خاندان نے شیعہ عقائد قبول کئے۔ شمس عراقی نے شیعہ عقائد پر ایک کتاب بھی لکھی جس کا نام ''احوط'' ہے۔

عبدالقادر سروری لکھتے ہیں کہ ''قطب الدین پورہ کا دارالعلوم اس زمانے تک قائم تھا اور اس زمانے میں اس کی صدارت پر مولانا رضی الدین فائز تھے جو اپنے عہد کے سربرآوردہ عالم، فاضل اور علم بلاغت میں شہرہ آفاق تھے۔ بابا داؤد خاکی اور ملا شمس الدین پالی ان ہی کے شاگردوں میں سے تھے۔ مولانا مصنف بھی تھے اور پیر غلام حسن نے لکھا ہے کہ ان کی تصنیف کی ہوئی کتابیں بلند پایہ مانی جاتی

ہیں۔مولانا رضی الدین کے علاوہ ایک اور عالم ملا حاجی گنائی بھی قطب الدین پورہ کے مدرسہ میں درس دیتے تھے۔مولانا رضی الدین سُسرے مولانا نونی گنائی جو ملا ملاحی کے نام سے مشہور ہیں اچھے عالم تھے اور اشاعت علم میں مصروف رہے۔

ایک اور سربرآوردہ عالم ملا عبدالوہاب، ملا فیروز کے فرزند تھے جو علم تصوف اور معمّا (پیچیدہ بات) میں کمال رکھتے تھے۔انہوں نے کئی رسالے لکھے تھے جن میں مشہور یہ ہیں: تعریف فی التصوف، شرح مواقف، شرح شمہ منطق، جس پر عبدالوہاب نے حاشیے بھی لکھے تھے۔ان کی تصانیف بلند پایہ تسلیم کی جاتی ہیں۔

بابا فتح اللہ ثانی جو بعد میں شیعہ حکومت کی داروگیر کی وجہ سے سیالکوٹ منتقل ہوگئے تھے، علوم اسلامی علوم میں تبحّر رکھتے تھے۔کشمیر کے علماء میں ان کا بلند مقام اس وجہ سے ہے کہ حضرت شیخ حمزہ نے ان کے آگے زانوی شاگردی تہہ کیا تھا۔ان کے کشمیر چھوڑنے کا باعث یہ ہوا کہ یہ بڑے سخت سنی تھے۔اور صاحب کردار انسان تھے۔اس لئے شمس الدین عراقی ان کے مخالف ہوگئے تھے۔چنانچہ ان کے ایک مرید کو موسیٰ رینہ نے جو شمس عراقی کا معتقد تھا قتل کر دیا تھا اور اس کے ملازم بابا فتح اللہ کے قتل کی فکر میں بھی تھے۔سیالکوٹ میں انہوں نے درس وتدریس کا مشغلہ جاری رکھا۔وہاں وہ ''فتح اللہ حقانی'' کے نام سے مشہور تھے۔ان کی ایک اہمیت یہ بھی ہے کہ ان کی دو صاحبزادیاں مشہور علماء کشمیر مولانا کمال اور مولانا جمال کے عقد میں تھیں۔

مولانا حافظ بصیر جو ملہ بابا کے لقب سے مشہور ہیں، فقہ، حدیث، تفسیر کے علاوہ فلسفہ، منطق اور ریاضی میں بھی بڑی دستگاہ رکھتے تھے۔ان کی بڑی اہمیت یہ ہے کہ حضرت بابا داؤد خاکیؒ، شیخ یعقوب صرفیؒ اور شمس الدین پالؒ انہی کی تعلیم سے فیض یاب ہوئے تھے۔ان کا انتقال ۹۴۶ھ میں ہوا۔شیخ یعقوب صرفی نے مرثیہ کہا تھا جس کا تاریخی شعر حسب ذیل ہے

آن حافظ علم وادب، بودہ بصیر از علم ☆ تاریخ فوتش زاں سبب شد عالم تفسیر داں

(ترجمہ از مصنف) وہ علم وادب کا حافظ علمی بصیرت رکھتا تھا۔اسی وجہ سے اس کے مرنے کی تاریخ ابجدی حساب سے عالم تفسیر دان یعنی تفسیر کو جاننے والا عالم بنتی ہے۔

مولانا محمد آنی جو مولانا عبدالرحمان جامی کے شاگرد رشید تھے، شہمیری سلاطین کے آخری عہد میں کشمیر میں آئے تھے۔ان سے علوم ظاہری وباطنی میں لوگوں نے بہت فائدہ اُٹھایا۔وہ شاعری میں بھی استاد کا مرتبہ رکھتے

تھے اور زیادہ تر پند وموعظت میں شعر کہتے تھے۔شیخ یعقوب صرفی شاعری میں انہی سے اصلاح لیتے تھے۔

دور خانہ جنگی کے زمانے میں کسی پائیدار ادب کی تخلیق کا سراغ کم ملتا ہے۔اس سارے دور میں میرزا حیدر کے کشمیر میں اقتدار حاصل کرنے تک چند تواریخ لکھی گئیں۔جن میں قاضی ابراہیم کی تاریخ قلمرو کشمیر جو ۹۲۰ھ کی تصنیف ہے اور سید محمد علی کی ''تاریخ کشمیر'' اہمیت رکھتی ہے۔مرزا حیدر کے اقتدار پر تسلط جمانے کے بعد حالت میں کچھ بہتری پیدا ہوئی اور کچھ ادبی اور تہذیبی امور کی طرف بھی توجہ ہوئی۔

میرزا حیدر اچھا اہل قلم تھا۔اس کی مصنفہ ''تاریخ رشیدی'' اس عہد کے حالات کے بارے میں مستند تاریخ کی حیثیت رکھتی ہے۔یہ تاریخ اس نے کشمیر میں ہی لکھی تھی۔

اس عہد میں ایک اور تاریخ بھی لکھی گئی تھی جو تاریخ کشمیر کے نام سے موسوم ہے۔اور اس کے مصنف ملا حسین قاری ہیں۔یہاں تک شہمیری سلاطین کے دور کی دینی اور علمی خدمات کا تذکرہ تھا۔جو کشمیر میں اسلامی تاریخ کا تیسرا دور تھا اس کے بعد چوتھا دور شروع ہوا۔

تاریخ اسلام کا پانچواں دور

چک سلاطین کا عہد

۹۶۲ھ تا ۹۹۲ھ

چک سلاطین شیعہ مسلک پر چلتے تھے۔اس لئے اس زمانے میں ایران سے کئی شیعہ علماء کشمیر آئے۔فارسی علم وادب اور شاعری کو پھر سے نئی تحریک نصیب ہوئی۔چک حکمرانوں میں بعض علم و ادب کے قدرداں وسرپرست تھے۔یوسف شاہ چک بذات خود ایک اچھا شاعر تھا۔حسین شاہ کی ادب پروری کی شہرت سن کر جو شاعر اور عالم ایران اور دوسرے مقامات سے کشمیر آئے تھے ان میں ملا نامی اول وثانی، بابا طالب اصفہانی، میر علی اور مولانا مہدی قابل ذکر ہیں۔لیکن کشمیر میں اکثریت چونکہ سنی مسلمانوں کی ہی تھی۔بادشاہوں کی کسی حمایت سے بے نیاز ہوکر جن حضرات نے اس دور میں دین کی خدمت کا فریضہ انجام دیا ان میں حضرت مخدوم شیخ حمزہؒ کا نام سرفہرست ہے۔عبدالقادر سروری نے ان کی دینی خدمات کے متعلق اس طرح تبصرہ کیا ہے۔

شیخ حمزہؒ

چک سلاطین کے عہد میں حضرت مخدوم شیخ حمزہؒ کا فیضان جاری ہوا۔آپ کشمیری سلاطین کے آخری زمانے میں پیدا ہوئے تھے۔اور کشمیر کے مشہور رینہ خاندان سے آپ کا تعلق تھا۔اس طرح آپ ایک متمول گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔لیکن آپ نے دین کو دنیا پر ترجیح دی اور ساری عمر یادِ خدا میں گذار دی۔آپ کا انتقال ۹۸۹ھ میں ہوا۔آپ کے فیض صحبت سے جو علماء اُٹھے۔انہوں نے کشمیر میں علم و فضل کی بیش بہا خدمت انجام دی ان میں سب سے زیادہ قابل ذکر آپ کے بھائی بابا علی رینہؒ ہیں۔وہ اور شیخ کے ایک اور مرید بابا داؤد خاکی نے علم ظاہری اور باطنی کے لئے رہبری کی تلاش میں دور دراز کے سفر بھی کئے تھے اور ملتان کے علماء اور صوفیاء سے بھی فیض حاصل کیا تھا۔کشمیر واپس ہونے کے بعد بابا داؤدؒ نے حضرت مخدومؒ کی خدمت میں روحانی مدارج طے کئے۔بابا علی رینہ نے زاہدوں اور عرفاء کے بارے میں ایک کتاب بھی لکھی تھی۔جو تذکرۃ العارفین کے نام سے موسوم ہے۔

حضرت بابا داؤد خاکیؒ، حضرت مخدومؒ سے فیض پائے ہوئے علماء میں سب سے زیادہ سربرآوردہ ہیں۔ان کے والد شیخ حسن گنائیؒ مشہور خطاط تھے ''گنائی'' کا خطاب ان کے مورث اعلیٰ کو بڈشاہ نے دیا تھا جس کے معنیٰ ''اہل قلم'' کے ہیں۔یہ خطاب صاحب تصنیفوں اور خطاطوں کے لئے موزون تھا۔

بابا داؤدؒ

بابا داؤدؒ ۹۲۸ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ملا بشیرؒ اور علامہ رضیؒ سے، جو اس زمانے کے مشہور عالم تھے، انہوں عربی، فارسی اور دینیات کی تعلیم حاصل کی تھی۔تعلیم سے فراغت پانے کے بعد، شہزادہ نازک شاہ کی اتالیقی کی خدمت ان کے سپرد ہوئی۔لیکن اس خدمت کو انہوں نے حضرت مخدوم شیخ حمزہؒ سے بیعت ہونے کے بعد ترک کر دیا۔

بابا داؤدؒ اکبر کے پاس کیوں گئے؟

چک سلاطین کے شیعہ عقائد میں غلو کی وجہ سے، جو مناقشے سلطنت میں پھیل گئے تھے اور علماء اور فضلاء بے پناہ مظالم کا شکار ہو رہے تھے، اس کا اندازہ پیر غلام حسن کے اس بیان سے ہوتا ہے جو قاضی موسیٰ شہیدؒ کے تذکرہ میں نقل کیا گیا ہے۔جب حالات کی اصلاح خود ریاست کے اندر کی قوتوں سے نہ ہو سکی، تو بابا داؤد خاکیؒ اور ان کے ساتھ شیخ یعقوب صرفیؒ نے ہندوستان جا کر شہنشاہ اکبر سے مدد مانگنی ناگزیر سمجھی۔چنانچہ یہ دونوں ہندوستان گئے اور اکبر کو مداخلت پر آمادہ کیا۔ان کے ساتھ کشمیر کے اور عمائدین بھی تھے۔

بابا داؤدؒ ایک بڑا عالم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بلند پایہ شاعر بھی تھے لیکن ان کی شاعری گل و بلبل کے ارد گرد نہیں گھومتی ہے۔بلکہ علم، مذہب اور تصوف کے ارد گرد گھومتی ہے۔انکساری کی وجہ سے خاکی تخلص اختیار کیا تھا۔انہوں نے قیمتی قصیدے لکھے۔ان کی ایک تصنیف ''وِرۡدُ الۡمُرِیۡدِیۡن'' ہے اس کی شرح ''دستور السالکین'' کے نام سے لکھی۔دوسرا ''رسالہ ضروریہ'' ہے جس کی شرح ''مجموعۃ الفوائد'' کے نام سے لکھی۔بابا داؤدؒ کی غزلیں عارفانہ ہیں۔نمونہ کے طور پر ایک دو شعر ملاحضہ ہوں۔

گہ بہ مسجد روم وگاہ بہ میخانہ شوم ☆ من بے چارہ ترا می طلبم از ہر سو
نتوانم کہ شمارم کرم ونعمت تو ☆ گرز بانم شود اندر تن من از ہر سو

(ترجمہ) میں کبھی مسجد میں جاتا ہوں اور کبھی شراب خانہ میں۔لیکن ہر جگہ میں بے چارہ تجھے ہی ڈھونڈتا ہوں۔مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ تیرے کرم اور نعمتوں کا شمار کروں اگر میرے جسم کا ہر ایک ذرہ زبان بن جائے۔

بابا داؤدؒ کا انتقال ۹۹۴ھ میں ہوا۔لیکن اس دنیا میں رخصت ہونے سے پہلے انہوں نے اپنا سارا علم وعرفان طالبین میں منتقل کیا تھا۔چنانچہ ان کے بعد ان کے فیض سے مستفید ہونے والے علم و ادب کے بہت سے عاشق منظر عام پر آئے۔

شیخ یعقوب صرفیؒ

شیخ یعقوب صرفیؒ بھی اس عہد کے ایک جید عالم، روحانی پیشوا اور شاعر ہیں۔ جن کا فیض کشمیر، ہندوستان اور ہندوستان سے باہر دوسرے اسلامی ممالک میں جاری رہا۔ان کی پیدائش کا سنہ ۹۲۸ھ ہے۔صرفی کا تعلق مشہور ''گنائی'' خاندان سے تھا۔''گنائی'' نسبت کی طرف اشارہ ہے۔صرفیؒ نے بہت ہی کم عمری میں قرآن حفظ کر لیا۔اور مولانا آنی کی شاگردی میں داخل ہو گئے تھے۔مولانا آنی ملا جامیؒ کے شاگردوں میں ممتاز تھے۔انہوں نے بابا داؤد خاکیؒ کے استاد مولانا حافظ بصیرؒ سے بھی اکتساب کیا تھا۔وطن کے علماء کے فیض صحبت سے جب ان کی علمی پیاس کو تسکین نہیں ہوئی تو وہ سیالکوٹ، لاہور، کابل، سمرقند اور مشہد بھی گئے اور وہاں کے علماء سے بھی استفادہ کیا۔حج کے لئے جب مکہ گئے تو شیخ ابن حجرؒ مکی سے حدیث میں سند حاصل کی۔ترکستان میں انہیں شیخ حسین خوارزمیؒ کی مسند طریقت پر بٹھایا گیا۔آگرہ کے قیام کے زمانے میں شیخ سلیم چشتیؒ سے بھی ان کی ملاقات ہوئی تھی۔اور

شیخ چشتیؒ کے آخری سفر میں صرفیؒ بھی ان کے ساتھ تھے۔

صرفی بڑے ژرف نگاہ عالم **(Perpicacious Scholar)** اور ہمہ گیر طبیعت کے مالک تھے۔ ان کی عظمت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ مولانا شیخ احمد سرہندیؒ نے ان سے حدیث کا درس لیا تھا۔ وہ کثیر تعدادِ تصانیف کے مصنف ہیں۔ ان کی تصایف میں ’’حاشیہ رباعیات، حاشیہ روائح، شرح صحیح بخاری، حاشیہ توضیح والتلویح، مناسک حج، رسالہ اذکار، کنز الجواہر، چہار رسالہ، ایک دیوان اور خمسہ شامل ہے۔ قرآن کی ایک تفسیر بھی لکھی تھی لیکن وہ مکمل نہ ہوسکی۔ یہ تفسیر ’’مطالب الطالبین‘‘ کے نام سے موسوم ہے۔

صرفیؒ کے دیوان میں غزل، قصیدہ، نعت، منقبت، رباعی غرض ہر صنف کا کلام موجود ہے۔ لیکن ان کا مخصوص انداز متوصوفانہ اور عارفانہ ہے۔ ان کی غزل کے چند شعر نقل کئے جاتے ہیں:

در صد آئینہ یک روست جلوہ گر☆ در ہر چہ بینم آں رخ نیکوست جلوہ گر

خلقی بہر طرف شد سرگشتہ بہر دوست☆ ویں طرفہ تر کہ دوست بہر سواست جلوہ گر

(ترجمہ از عاصیؔ) سینکڑوں آئینوں ایک ہی چہرہ جلوہ گر ہے۔ جس چیز کی طرف دیکھتا ہوں وہی نیک چہرہ جلوہ گر ہے۔ لوگ ہر طرف اپنے دوست (اللہ) کی تلاش میں حیران ہیں۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ دوست یعنی اللہ ہر طرف جلوہ گر ہے۔

صرفیؒ کا خمسہ **(series of five epics)** (جو ان کی پانچ مثنویوں ۱۔ مسلک الاخیار ۲۔ وامق وعذرا ۳۔ مغازی النبی ۴۔ لیلی مجنون ۵۔ اور مقامات مرشد پر مشتمل ہے)۔ ان کا معرکتہ الآراء کارنامہ مانا گیا ہے۔ اس خمسہ **(series of five epics)** کی تصنیف پر انہیں ’’جامی ثانی‘‘ کا لقب ملا تھا۔

پروفیسر عبدالقادر سروری نے اپنی تصنیف ’’کشمیر میں فارسی کی تاریخ‘‘ میں اس سے آگے جو کچھ صرفیؒ کے متعلق لکھا ہے وہ من وعن نقل کرنے کے قابل ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

’’صرفیؒ عربی کے بھی عالم تھے فیضیؒ سے بھی ان کی دوستی تھی۔ فیضیؒ نے اپنی بے نقطہ تفسیر قرآن ’’سواطع الہام‘‘ پر صرفیؒ سے تقریظ (Appreciation) لکھوائی تھی جو انہوں نے فی البدیہہ (without delay) لکھی تھی۔ ملا عبدالقادر بدایونیؒ سے بھی صرفیؒ کے مراسم (Friendly Relations) تھے۔ بدایونیؒ نے ان کی علم وفضل اور تقویٰ کی بڑی تعریف کی ہے،

کشمیر کی آزاد شاہی کے ختم ہونے سے پہلے، بابا داؤد خاکی اور شیخ یعقوب صرفی ایسے دو عظیم الشان عالم، روحانی پیشوا، ادیب اور شاعر کشمیر کی سرزمین سے اُٹھے تھے۔ جن کی نظیر بعد کے ادوار میں مشکل سے مل سکے گی۔ صرفی مغلیہ عہد کے ابتدائی چند برسوں تک زندہ رہے۔ ۱۰۰۳ھ میں انتقال کیا۔

باباعلی رینہؒ

یہ شیخ حمزہ مخدومیؒ کے بھائی تھے۔ بھائی ہونے کے باوجود ان کے ارادت مندوں میں شامل تھے۔ ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ انہوں نے ایک کتاب ’’تذکرۃ العارفین‘‘ لکھی ہے جس میں کشمیر کے عارفوں اور زاہدوں کے حالات اور ان کے ملفوظات ہیں۔ اپنے بھائی کے متعلق ایک جگہ لکھتے ہیں:

’’برادر حقیقی ایں فقیر کہ مرشدِ کامل من وزمانہ وزمانیان است‘‘

ترجمہ) مجھ فقیر کا حقیقی بھائی جو میرا، میرے زمانہ، اور اس زمانہ کے لوگوں کا مرشد کامل ہے۔ یہ کتاب ۵۵۰ اوراق پر مشتمل ہے اور اس میں بارہ ابواب (Chapters) ہیں جو اسطرح ہیں۔ نماز، روزہ، عبادت، توبہ واستغفار، اقسام لیل ونہار، نوافل اور ختم، طلب معارف، وحدت وتصوف، کراماتِ اولیاء کشمیر، حضرت مخدوم اور آپ کے خلفاء کے حالات، مخدومؒ کے عام اور خاص مقامات، افکار اور مراقبات۔ اس کے علاوہ حضرت شیخ حمزہ کے مریدوں میں اور دو اشخاص بھی قابل ذکر ہیں جن میں ایک مولوی فیروز ثانیؒ اور دوسرے مولوی محمد جعفرؒ تھے۔ مولوی محمد جعفرؒ ’’رموزِ الطالبین کے مصنف تھے۔ چک سلاطین کے عہد میں جو کتابیں تاریخ کے متعلق لکھی گئیں ان کی تفصیل اس طرح ہے۔

سید علی ماگری بن سید محمد ماگری نے مختصر تاریخ کشمیر لکھی جو امیر کبیر سے لے کر شیخ نورالدین اور ان کے خلفاء کے حالات پر ختم ہوتی ہے۔ دوسری تاریخ سید محمد مہدی کی ہے جس کا نام بہارستان شاہی ہے لیکن یہ مشتبہ ہے۔

میر حیدرؒ

دسیویں صدی کے آخر میں گجرات کے ایک بزرگ میر حیدر کشمیر آئے اور تیلہ مولہ میں سکونت اختیار کی۔ ان کی اہم تصنیف ’’ھدایت المخلصین‘‘ ہے انہیں خواب میں کشمیر آنے کے متعلق امر ہوا۔ والدہ سادات میں سے تھیں۔ یہاں حضرت حمزہؒ اور باباعلی رینہؒ سے مستفید ہوئے۔

شیخ احمد چاگلی کامراجی

یہ بھی حضرت مخدوم صاحب کے معتقد تھے۔انہوں نے ’’رسالہ سلطانیہ‘‘ لکھا ہے۔

حضرت مخدوم شیخ حمزہؒ کے معتقدین میں ان کے علاوہ میرم بزاز، خواجہ حسن قاری اور خواجہ اسحاق قاری بھی تھے۔میرم بلند پایہ شاعر تھا۔اور خواجہ حسن اور خواجہ اسحاق بڑے پایہ کے عالم تھے۔خواجہ حسن نے ’’راحت الطالبین‘‘ اور خواجہ اسحاق نے ’’چلچلۃ العارفین‘‘ لکھی ہے۔دونوں کتابوں میں حضرت شیخ حمزہ کے حالات اور آخری کتاب میں اس کے علاوہ شیخ حمزہ کے ملفوظات بھی ہیں۔

بابا داؤد خاکیؒ کی نظم ’’ورد المریدین‘‘ اور اس کی شرح ’’دستور السالکین‘‘ بھی اسی دور کی تصانیف میں ہیں لیکن چک سلاطین کے خاتمے کے ساتھ فارسی ادب اور شاعری کا مذہبی، صوفیانہ اور عملی کردار تبدیل ہونا شروع ہوا۔مغلوں کے دور سے حسن وعشق کی شاعری کا آغاز ہوا۔بعد کے شاعروں نے اسی طرز کو اپنے لئے نمونہ بنایا۔

کشمیر میں اسلام کا چھٹا دور مغلوں کا دور

(۹۹۴ھ سے ۱۱۶۶ھ تک)

مغل کشمیر میں آئے نہیں بلکہ لائے گئے اور اس کا سبب وہی باہمی اختلاف بنا جس کو علامہ اقبالؒ نے اپنے ایک شعر میں اس طرح سمجھایا ہے ۔

من شنیدستم ز نباض حیات ☆ اختلاف تست مقراض حیات

ترجمہ) میں ان لوگوں کی زبان سے جن کو امت کی حیات کے نبض پر نظر ہوتی ہے سنا ہے کہ تمہارا باہمی اختلاف تمہاری ملی حیات کے لئے ایک قینچی ہے۔پرفیسر عبدالقادر سروری صاحب لکھتے ہیں:

’’چک سلاطین کے شیعہ عقائد میں غلو کی وجہ سے جو مناقشے سلطنت میں پھیل گئے تھے اور علماء اور فضلاء بے پناہ مظالم کا شکار ہو رہے تھے۔اس کا اندازہ پیر غلام حسن کے اس بیان سے ہوتا ہے جو قاضی موسیٰ شہیدؒ کے تذکرہ میں نقل کیا گیا ہے۔جب حالات کی اصلاح خود ریاست کے اندر کی قوتوں سے نہ ہوسکی تو بابا داؤد خاکیؒ اور انکے ساتھ شیخ یعقوب صرفیؒ نے ہندوستان جا کر شہنشاہ اکبر سے امداد مانگنی ناگزیر سمجھی۔چنانچہ یہ دونوں ہندوستان گئے اور اکبر کو مداخلت پر آمادہ کیا ان کے ساتھ کشمیر کے اور عمائدین بھی تھے۔لیکن اس ذمہ دار وفد نے آنکھیں بند کر کے مغلوں کو یہاں آنے کی دعوت نہیں دی بلکہ ایک معاہدہ کیا جس کی شرائط اس طرح تھیں۔جو صوفی صاحب نے اپنی کتاب میں تحریر فرمائی ہیں۔

۱۔برسر اقتدار شہزادہ مذہبی معاملات میں کوئی مداخلت نہیں کرے گا اشیاء کی خرید وفروخت میں کوئی مداخلت نہیں ہوگی اور غلہ کا اناج مقرر کرنے میں بھی کوئی مداخلت نہیں ہوگی۔

۲۔کشمیر میں جو بڑے عہدہ دار تعینات کئے جائیں گے وہ کسی کشمیری مرد اور عورت کو غلام نہیں بنائیں گے۔

۳۔ملک کے باشندے کسی بھی طرح ظلم وستم کا شکار نہیں کئے جائیں گے۔

۴۔کشمیر کے امیر زادوں (جو غلطیوں کے اصل مجرم ہیں) کو فی الحال ملک کے انتظام وانصرام میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

اس کے بعد مرزا قاسم چیف کمانڈر کو حکم دیا گیا کہ وہ چالیس ہزار سوار اور بیس ہزار پیدل فوج کے ساتھ کشمیر کو فتح کرے۔وہ راجوری سے داخل ہوا اور سرینگر کی طرف بڑھا۔یعقوب شاہ نے مقابلہ میں بہت کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکا۔مرزا قاسم ۹۹۵ھ میں سرینگر میں داخل ہوا۔یہی پہلا موقعہ تھا کہ کشمیر بیرونی غلبہ میں آگیا اور اپنا نیا کاروبار مغلیہ سلطنت کے ایک صوبہ کی حیثیت سے شروع کیا۔

فارسی زبان وادب

مغل بادشاہوں کو فارسی زبان سے بہت لگاؤ تھا وہ شعر وسخن کا ذوق بھی رکھتے تھے، کشمیر کے فارسی شعرا کی سرپرستی ہوئی۔اور باہر سے بھی کئی سخن سرا کشمیر آئے۔جن میں میرزا صائب اور میر الٰہی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اکبر بادشاہ کشمیر آیا

اکبر بادشاہ ۹۹۶ھ میں کشمیر آیا اور باغ حسن شاہ میں جہاں اب خانقاہ نقشبندیہ ہے یا ابوالفضل کے کہنے کے مطابق کاخ یوسف خان میں ٹھہرا۔جمال الدین انجو کو حکم دیا کہ وہ اپنی لغت (Dictionary) مرتب کرے۔اس کو مرتب کرنے میں دس سال لگ گئے۔جہانگیر نے اپنی کتاب ’’تزک‘‘ میں اس لغت کی بڑی تعریف کی ہے۔جہانگیر نے اس کے صلے میں جمال الدین کو ایک اونچے خطاب سے نوازا۔

اکبر نے ایک باغ ’’باغ حسینی‘‘ کے نام سے ایک مسجد اور ایک خانقاہ بھی تعمیر کروائی تھی۔اس دور کے شاعروں میں میر ابوالفتح ایرانی، نجمی، مظہری کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔علماء میں شیخ احمد زاہد کول، جنہوں نے شیعہ عقائد کے رد میں ’سیف السابین‘ کے علاوہ اور بھی بہت ساری کتابیں لکھیں

۔ایک دوسرا عالم نورالدین عشائی بھی علم وفن کا مرکز تھا۔انہوں نے پارہ عم کی تفسیر لکھی تھی۔ایک اور شاعر فریبی کا نام بھی اسی دور میں ملتا ہے۔

ملا محمد گائیؒ بہت بڑے عالم تھے۔کافی کتابیں لکھیں۔انہوں نے عربی اور فارسی کتابوں پر حاشیے بھی لکھے تھے۔مناظرہ شیعہ وسنی کے نام سے بھی انہوں نے ایک رسالہ لکھا ہے۔اسلام کے جمہوری نظام کو اس طرح بیان کیا ہے ۔

مصطفیٰ از جہاں چو بیروں رفت ☆ جانب ملک قرب بیچوں رفت
ملک بہر کسی وظیفہ نہ ساخت ☆ کسی از آل خود خلیفہ نساخت

ترجمہ) آنحضرت ﷺ جب اس دنیا سے تشریف لے گئے اور اللہ کے لا مثال ملک کی طرف چلے ۔ملک کسی کو بطور وظیفہ عطا نہیں فرمایا اپنی اولاد میں سے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا۔

اس دور کے علماء میں قابل ذکر اشخاص درج ذیل ہیں:

ملا کمال، علامہ عبدالحکیم، مولوی فقیر محمد، ملا جو ہر ناتھ، خواجہ حبیب اللہ حبیؒ ، بابا نصیب الدین، خواجہ محمد پارسا، غنی کشمیری وغیرہ۔ان سب حضرات نے قلم اور قدم دونوں سے کسی نہ کسی درجہ میں علم وادب اور اسلام کی خدمت انجام دی۔اس کے علاوہ اس دور کے علماء میں بابا داؤد خاکی، مرزا اکمل وغیرہ علماء حضرات نے بھی بہترین خدمات انجامدی ہیں۔

افغان دور

۱۱۶۶ھ تا ۱۲۳۴ھ

پروفیسر عبدالقادر سروری نے اپنی کتاب کشمیر میں فارسی ادب کی تاریخ میں لکھا ہے ''کہ مغلیہ اقتدار کے خاتمہ کے بعد جب افغانوں کا تسلط کشمیر پر ہو گیا تو عام طور پر تہذیبی امور کی طرف توجہ نہیں رہی۔افغان اچھے سپاہی تھے لیکن تہذیب اور شائستگی کے امور سے انہیں اتنا ہی بُعد تھا جتنا ابتدائی مغلوں اور تاتاریوں کو تھا''۔اگر چہ کئی علماء نے اپنے محدود دائرے میں علم وادب کی خدمت انجام دی لیکن کچھ علماء سکون کے ساتھ اپنے علمی مشاغل کو جاری رکھنے کے خیال سے ہندوستان چلے گئے۔

سکھوں کا عہد

۱۲۳۴ھ سے ۱۲۶۲ھ تک

اس دور کے متعلق فروفیسر عبدل القادر سروری صاحب نے لکھا ہے:

''سکھوں کے تسلط کشمیر کے آغاز ہی سے عوام کے ساتھ نا انصافی اور لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم رہا۔سکھ حکمران یکا یک اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے انہیں جہانبانی کے اوصاف سے آگاہی نہیں تھی۔کشمیر میں مسلمان آبادی سکھوں کے مظالم کا نشانہ رہی۔جس کی تفصیل بامزئی نے اپنی تاریخ کشمیر میں دی ہے۔سکھوں کے مذہبی جنون نے اسلامی معابد کی بے حرمتی کو روا رکھا۔حتیٰ کہ مسجدوں میں اذان کہنے کی بھی ممانعت کر دی گئی۔اور جامع مسجد کو عرصہ تک تالہ لگا دیا گیا۔حمید اللہ شاہ آبادی نے اس عہد میں حاکموں کی بدعنوانیوں کی تفصیل طنزیہ انداز میں ''بیوج نامہ'' میں لکھی ہے۔

نظم ونسق کے اعتبار سے سکھ دور کی ابتری کے مقابلے میں فارسی ادب اور شاعری کی ترقی قابلِ اعتنا رہی ۔اس لئے اس عہد کو''ثانی عہد مغل'' بھی کہا گیا ہے۔اس دور میں کئی نام ور علماء کے اسماء گرامی بھی ملتے ہیں۔جن کی تفصیل اس مختصر رسالے میں ناممکن ہے۔

ڈوگرہ عہد

(۱۲۶۳ھ تا ۱۳۶۵ھ)

اس دور میں ذریعہ تعلیم کی جگہ اردو نے لے لی۔علمی اور ادبی زبان کی حیثیت سے فارسی ہی کا چلن رہا۔فارسی اور عربی کی تعلیم کے لئے علحدہ مدرسے بھی قائم کئے گئے۔پرتاپ سنگھ کے عہد میں اردو کو دفتری اور سرکاری زبان کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا اس کے باوجود ادبی اعتبار سے فارسی اپنی جگہ پر قائم رہی۔میر واعظ خاندان کے بزرگ علمی اور ادبی خدمات انجام دیتے رہے۔بارہمولہ میں مولانا عبدالولی شاہؒ صاحب نے عقیدہ توحید کو رائج کرنے کے لئے زبردست محنت کی۔

موجودہ دور

۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم ہوا ۔اور تقسیم ملک کے ساتھ ہی چند دینی تحریکوں نے کام کرنا شروع کیا۔جن میں جماعت اسلامی، تبلیغی جماعت، اہل حدیث، انجمن تبلیغ الاسلام وغیرہ شامل ہیں۔

(نوٹ) افغان عہد، سکھ عہد، ڈوگرہ عہد اور موجودہ دور کے علماء کے متعلق احقر رسالے کا حجم مدنظر رکھتے ہوئے تفصیل سے نہ لکھ سکا۔اللہ نے چاہا تو کسی اور شمارے میں اس کسر کو پورا کیا جائے گا۔

شاہ ہمدانؒ ایک وسیع المشرب داعی

(از سالک بلال ایم۔اے اسلامیات (بی۔ایڈ) کشمیر یونیورسٹی۔ڈپلوما فارسی)

جب ہم حضرت شاہ ہمدان کی داعیانہ زندگی کا مطالعہ امت کے باقی کبار داعیوں کے مقابلہ میں کرتے ہیں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ حضرت شاہ ہمدان دعوت وعزیمت کے میدان میں ایک غیر متنازعہ اور محبوب داعی رہے ہیں۔اس جنتِ نظیر کے تمام مکتب ہائے فکر ان کی دعوت سے مستفید، ان کی عظمت کے معترف ان کے داعیانہ مذہب ومسلک کے معتقد اور ان کی عبقری شخصیت کی تعریف میں رطب اللسان ہیں ان کی ہمہ گیر مقبولیت اور شہرت کی جہاں لاتعداد وجہیں ہوسکتی ہیں وہیں داعیانہ پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک خاص وجہ ان کی وسعت قلبی اور اعتدال بین الاصل والفرعہ ہوسکتی ہے۔

جب ہم بحیثیت طالب علم عصر حاضر کی تمام داعیانہ سرگرمیوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو استثناء کو چھوڑ کر ہم یہ کہنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ امت کی تمام تر صلاحیت فروعات کی تبلیغ میں صرف ہورہی ہے جس کا لازمی نتیجہ امت کا منقسم اور پن روک خانوں (Watertight comparments) میں بٹنا ہمارے سامنے اظہر من الشّمس (crystal clear) ہے۔

حضرت شاہ ہمدان کی داعیانہ سیرت پر ایک سرسری نظر بایں غرض ڈالتے ہیں کہ اگر عصر حاضر کی تمام داعیانہ صلاحیتیں اسی نہج پر صرف ہوجاویں تو عالم اسلام کے ساتھ ساتھ عالم اقوام میں دینی و اسلامی اقدار کو پھیلانے میں خاطر خواہ نتائج برآمد ہونے کی کافی توقع کی جاسکتی ہے۔

آپ تمام حضرات اس تاریخی حقیقت سے باخبر ہیں کہ حضرت شاہِ ہمدان سے پہلے ہی کشمیر جنت نظیر میں اسلام پہنچا ہی نہیں بلکہ عملی زندگیوں میں داخل ہوچکا تھا۔تحائف الابرار اور انسائکلو پیڈیا آف اسلام میں آپ کے کشمیر آنے کی تاریخ ۱۲ ربیع الاول ۷۷۴ھ ہجری مرقوم ہے۔یہ وہ زمانہ ہے جب کشمیر میں مسلم سلاطین بالفعل حکومت کرتے تھے۔ان سلاطین کے قلوب میں اسلام اور مسلم علماء وصلحاء کے تیئں مربیانہ اور مشفقانہ جذبہ تھا۔کیونکہ بحیثیت مجموعی یہ سلاطین اسلامی اقدار سے قدرے مالا مال تھے جس کے پیچھے حضرت شرف الدین سید عبدالرحمٰن ترکمستانی سہروردیؒ (وفات ۷۲۵ھ ہجری) کا ہاتھ تھا۔شیخ عبدالرحمٰنؒ نے اس وادیٔ جنت نظیر کے مشرفین بالاسلام کی تربیت فروعات میں فقہ حنفی کے مطابق کی۔کیونکہ یہ بات تاریخی اعتبار سے پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حضرت شیخ عبدالرحمٰنؒ مسلکاً حنفی

تھے۔یہاں سامعین کے ذہن میں سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ شیخ بلبل شاہ صاحب نے مشرفین بالاسلام کی تربیت فقہ حنفی کے مطابق کیوں کی؟ اس کا سیدھا سادھا جواب یہ ہے کہ وہ خود حنفی المسلک مسلمان تھا اور ان سے پہلے یہاں اور کوئی مسلک متعارف نہیں تھا جس سے کسی فقہی نزاع یا مسلکی تعصب کے وجود میں آنے کا اندیشہ ہوتا اگر وہ واقعی ایسا خطرہ محسوس کرتے تو وہ شاہِ ہمدان کی طرح اس معاملہ میں دور اندیشی سے کام لیتے۔کیونکہ شاہ ہمدان اگرچہ بقولِ جعفر بدخشی (جو مرید شاہِ ہمدان تھے) حنفی تھے لیکن بعد میں شافعی ہوگئے (لیکن شافعی ہونے کے باوجود) اپنے کسی مرید کے حنفی رہنے پر ان کو اعتراض نہ تھا اور نہ ہی انہوں نے حنفی قانون (جو کہ یہاں پہلے ہی سے مروج تھا) کی مخالفت کی (کتاب التہذیب المتین فی تاریخ امیر المومنین ج ا ص ۷)۔(کیونکہ وہ جانتے تھے تمام مسالک حق ہیں اور ایک مسلک سے نکال کر دوسرے مسلک میں داخل کرنا تحصیل حاصل ہے اور اس قسم کی محنت سے نہ ہی امت کی تعداد میں اضافہ ہو سکتا ہے اور نہ ہی مدعوبین کی طرف خاطر خواہ توجہ دینے کی فرصت مل سکتی ہے بلکہ مانوسین بھی اسلام کے دائرے سے یہ کہہ کر نکل جائیں گے کہ اسلام بھی ہفتاد و دوملت کا شکار ہے۔

اتنا ہی نہیں بلکہ اس داعیٔ اسلام نے عرفاء اور شیوخ کے تتبع میں شیعہ سنی اختلاف کو بھی قابو میں رکھا تھا۔تاریخ گواہ ہے کہ اس کے زمانے میں اس اختلاف کا لاوا کشمیر کی سرزمین میں نہیں پھوٹا۔کیونکہ اس کا عقیدہ اس معاملے میں یہ تھا کہ اگر شیعت کا خلاصہ اہل بیت سے محبت اور الفت رکھنا ہی ہے تو پھر رفض سے خود کو ملقب کرنا کوئی عیب کی بات نہیں۔بقول امام شافعیؒ اگر حب آل محمد ﷺ ہی رفض ہے تو دونوں جہاں گواہ رہیں میں رافضی ہوں امام شافعی کا عربی شعر اس طرح ہے ؎

لو کان رفضاً حبُ آل محمد ﷺ

فلیشھد الثقلان انی رافضٌ

مسلکی اختلافات کو بھڑکانے کے لئے انہوں نے اپنی داعیانہ صلاحیتوں کو کبھی خرچ نہیں کیا۔جہاں وہ اہل بیت اطہار کو ''شموس عالم حقیقت'' گردانتا ہے وہیں وہ صحابۂ کرامؓ کو نجوم فلک طریقت مانتا ہے۔ان کے اپنے الفاظ رسالۂ ذکریہ میں اس طرح درج ہیں:

''اہل بیتؓ او کہ شموس عالم حقیقت اند وصحابہ کرامؓ کہ نجوم فلک طریقت اند''

(بحوالہ سید علی ہمدانیؒ از ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر)

(ترجمہ) حضور ﷺ کے اہل بیت جو کہ عالم حقیقت کے آفتاب ہیں اور صحابہ کرامؓ جو کہ آسمان طریقت کے ستارے ہیں۔

ان کی اس غیر جانبداری کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت سارے محققین حضرات اس معاملے میں کافی مشکل میں پڑ گئے کہ حضرت شاہِ ہمدان کا اصلی مسلک کیا تھا۔اس مشکل کو فرانسیسی نقاد مولد مارین بھی عبور نہ کر سکے۔وہ ''رسالہ دہ قاعدہ'' کے مقدمہ میں یوں رقمطراز ہے :

''علی ہمدانی اگرچہ مذہب شافعی است اما علاقۂ مخصوص بہ مذہب تشیع دارد''

(بحوالہ سید علی ہمدانیؒ از سیدہ اشرف ظفر)

(ترجمہ) حضرت علی ہمدانیؒ اگر چہ مذہب شافعی پر عمل پیرا ہے لیکن مذہب شیعہ کے ساتھ بھی خاص لگاؤ رکھتے ہیں۔

اسی طرح بانگ درا میں شاعر مشرق حضرت علامہ اقبالؒ اپنے متعلق یوں فرماتے ہیں کہ اہل بیت اطہار کی فضیلت کا درس ہم نے ان ہی سے یعنی شاہِ ہمدان سے سنا۔علامہ فرماتے ہیں ؎

ہے اس کی طبیعت میں تشیع بھی ذرا سا ☆ تفضیل علیؓ ہم نے سنی اس کی زبانی

(ترجمہ) حضرت شاہِ ہمدان کی طبعیت میں یوں لگتا ہے کہ تھوڑی سی شیعت بھی ہے کیونکہ ہم نے ان کی زبان سے حضرت علیؓ کی فضیلت بھی سنی۔

خیر جہاں چہل اسرار میں اس قسم کے اشعار ملتے ہیں کہ ؎

علیؓ ہم نام را بنگر کہ جز او ☆ باللہ و محمد ﷺ رہبرم نیست

(ترجمہ) میر سید علی ہمدانی کو دیکھو جو حضرت علیؓ کا ہمنام ہے۔اس کے بغیر اللہ اور محمد ﷺ کی طرف رہبری کرنے والا میرے لئے کوئی نہیں ہے۔

وہیں ذخیرۃ الملوک کے صفحہ نمبر ۴ پر اس قسم کی عبارت بھی قارئین کی نظر سے ضرور گذرتی ہے کہ:

''صحابۂ کرامؓ بعد از نبی ﷺ بہترین خلق اند و بہترین ایشاں چوں ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین'' (بحوالہ سید علی ہمدانی از سیدہ اشرف ظفر)

(ترجمہ) صحابہ کرامؓ نبی ﷺ کے بعد بہترین مخلوق ہیں اور ان صحابہؓ میں سے زیادہ بہتر حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حجرت علیؓ ہے۔

انہوں نے اس قسم کا اعتدال اس لئے قائم رکھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان جھگڑوں میں پڑنے سے روحانیت کو بھی نقصان پہنچتا ہے اور اسلامی دعوت میں بھی یہ چیزیں حارج بنتی ہیں۔کیونکہ بہ قول عارف رومیؒ

سرِ حق کہ بر تو گردد منجلی ☆ اے گرفتارِ اُبوبکرؓ و علیؓ

(ترجمہ) تم پر اسرار الٰہی کب کھل جائیں گے جبکہ تو ابھی ابوبکرؓ و رصدیقؓ کو آپس میں ایک دوسرے کو مدمقابل پیش کرنے کی فکر میں لگا ہوا ہے۔

لہٰذا علامہ مشرق بھی اس قسم کے جھگڑوں میں پڑنے والوں کو جھنجھوڑتے ہوئے یوں فرماتے ہیں ؎

اے کہ نشناسی خفی را از جلی ہشیار باش ☆ اے گرفتار ابوبکرؓ و علیؓ ہشیار باش

(ترجمہ) اے وہ شخص جو ظاہر و باطن کے درمیاں تمیز کرنے کی معرفت نہیں رکھتا ذرا ہوشیار ہوجا۔اور اے ابوبکرؓ اور علی کے درمیاں تفریق پیدا کرنے والے تو بھی ہوشیار ہوجا۔

اسی مسلک ومشرب کی ترجمانی میں لسان الغیب حضرت حافظ شیرازیؒ یوں فرماتے ہیں ؎

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ ☆ چوں نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند (دیوانِ حافظ)

(ترجمہ) بہتر ملتوں کے اختلاف کو معذور سمجھ۔چونکہ انہوں نے حقیقت نہ دیکھی۔افسانہ کی راہ چل پڑے۔

کیونکہ عاشقان خدا کا مسلک و مذہب صرف اور اور صرف خدا ہوتا ہے بقولِ پیرِ رومؒ ؎

ملت عشق از ہمہ ملت جدا است ☆ عاشقاں را مذہب وملت خدا است

(ترجمہ) مذہب عشق تمام مذاہب سے جدا ہے جو عشاق ہوتے ہیں ان کا مذہب اور ملت بس خدا کی ذات ہوتی ہے۔

شاہِ ہمدان نہ ہی حنفی تھے اور نہ ہی شیعہ کیونکہ رسالۂ ذکریہ، ذخیرۃ الملوک، نگارستانِ فارس، رسالۂ مستورات، کتاب التہذیب المتین فی تاریخ امیر المومنین، وادیٔ کشمیر از سر والٹر لارنس، کتاب التبصرۃ العوام فی معرفت مقالات الانام، راحۃ الصدور، وغیرہ کتب سے جو کچھ استنباط ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ شاہِ ہمدان کا میلان طبع تسنن اور شافعیت کی طرف تھا لیکن بحیثیت مبلغ اسلام وہ خود کو ہر فرقہ سے غیر جانبدار سمجھتے تھے۔وہ فرقہ وارانہ مناقشات سے بالاتر رہتے تھے شاید اسی رواداری اور عدم تعصبی کی وجہ سے شاہِ ہمدان کو اتنا بلند

مقام حاصل ہوا کہ شیعہ اور ایرانی انہیں شیعہ گردانتے ہیں اور ذہبی سلسلہ کا انیسواں بڑا کتب مانتے ہیں۔غیر شیعہ انہیں اہلسنت قرار دیتے ہیں۔جامی جیسے صوفی ان کی روحانی وجاہت کی تعریف کرتے ہیں شاہ ولی اللہ جیسے مجتہد اور محقق ان کو محقق کامل کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔اور حکیم الامت علامہ سر محمد اقبالؒ آپ سے ’’سر یزدان‘‘ کی عقدہ کشائی کے لئے **استحضارِ خیالی** کے عالم میں یوں عرض کرتے ہیں ؎

از تو خواہم سر یزداں را کلید

(ترجمہ) اے عارف باللہ میں تجھ سے اسرار الٰہی کے جاننے کی کنجی چاہتا ہوں۔

مختصراً یہ کہ حضرت شاہِ ہمدان کی معتدل منہجِ دعوت میرے نزدیک ان اصولوں کے آس پاس گھومتی نظر آرہی ہے:

۱۔ فروعات کے بجائے مبادیات کی دعوت۔
۲۔ بدعت سے نکال کر سنت میں داخل کرنے کی فکر۔
۳۔ اظہارِ منکر سے پرہیز اور ازالۂ منکر کی فکر۔

لیکن آج کی داعیانہ سرگرمیوں کا محور اس کے برعکس یوں نظر آرہا ہے:

۱۔ مبادیات کے بجائے فروعات کی دعوت۔
۲۔ ایک سنت سے نکال کر دوسرے سنت میں داخل کرنا یا ایک مسلک سے نکال دوسرے مسلک میں داخل کرنے کی فکر۔
۳۔ ازالۂ منکر کے بجائے اظہارِ منکر۔

خدا ہمیں اس عظیم داعی کی داعیانہ روش پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

﴿اللّٰھمّ انّی اسئلک حبّک وحبّ من یحبّک﴾

﴿گذشتہ سے پیوستہ﴾

شرعی او فقہی اصطلاحات کی وضاحت سوال وجواب کی روشنی میں

(از عاصی غلام نبی وانی ایم اے فارسی، عربی کشمیر یونیورسٹی)

〈سوال〉 اہل سنت کی پہلے تشریح بیان ہوئی لیکن فرقہ ناجیہ کا کیا مطلب ہے؟

〈جواب〉 ناجیہ عذاب سے چھٹکارا پانے والے کو کہتے ہیں۔اور اس عذاب سے وہی چھٹکارا پائیں گے جو حضور ﷺ اُن کی آل واصحاب کے طریقہ پر قائم ہوں۔اور یہی لوگ راہِ راست پر ہیں۔

〈سوال〉 آل کا کیا مطلب ہے؟

(جواب) آل اولاد کو اور خصوصاً بیٹی کی اولاد کو کہتے ہیں۔

〈سوال〉 کیا معتزلہ اور شیعہ عقائد میں متفق ہیں؟

〈جواب〉 جی ہاں! یہ دونوں فرقے اکثر عقائد میں متفق ہیں۔

〈سوال〉 پھر ان کا آپس میں کیا اختلاف ہے؟

〈جواب〉 ان کا آپس میں بعض مسائل مثلاً مسئلہ امامت وغیرہ میں کچھ اختلاف ہے۔

〈سوال〉 واصل کے مرنے کے بعد اس کے عقائد کو پھیلانے میں کس نے بیڑا اُٹھایا؟

〈جواب〉 اس کے مرنے کے بعد اس کے پیرو (Followers) بہت مدت تک اپنے عقائد کو فلسفیانہ دلائل سے آراستہ کر کے لوگوں کو بہکاتے رہے۔جمہور اہل اسلام میں سے ان کو اس طرح رد کرنے کا اہتمام نہیں کیا جیسا کہ اس کے شایانِ شان ہوتا۔مولانا قاضی سجاد حسین صاحبؒ نے مثنوی دفتر دوم کے مقدمے میں لکھا ہے کہ اس فرقہ کی بہت سی شاخیں ہیں جن کے عقائد یہ ہیں۔قرآن مخلوق ہے۔بندہ اپنے افعال کا خالق ہے۔تقدیر کا عقیدہ غلط ہے۔کبیرہ گناہ کرنے والا مومن نہیں ہے۔خدا کی صفات نہیں ہیں۔

〈سوال〉 اشعری سلسلہ کب سے شروع ہوا؟

〈جواب〉 مولانا انظر شاہ صاحب کشمیریؒ نے تکمیل الایمان کے اردو ترجمہ کے حاشیہ میں لکھا کہ ’’اشعری شروع میں معتزلی تھے۔لیکن پھر بھی جامع مسجد بصرہ میں اپنے عقائد سے توبہ کی اور معتزلہ کے عقائد کی تردید اپنا بہترین مشغلہ قرار دیا۔ابوبکر صیدقیؒ کہتے تھے کہ معتزلہ نے بڑا فتنہ برپا کیا تھا۔خدا نے اپنے فضل

سے اشعری کو پیدا کیا اور انہوں نے معتزلہ کے عقائد کا مکمل رد کیا۔ابن حزمؒ نے لکھا ہے کہ ان کی ۵۵ تصانیف ہیں ۲۶۰ھ یا ۲۷۰ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے اور ۳۳۰ھ میں اچانک موت واقع ہوئی۔

〈سوال〉 امام ابوحسن اشعریؒ کو توبہ کی توفیق کیسے ہوئی؟

〈جواب〉 امام ابوحسنؒ کا ایک استاد تھا جس کا نام ابوعلی جُبائی تھا۔وہ معتزلی تھا۔شاگرد اور استاد کے درمیان ایک مسئلہ میں گفتگو شروع ہوئی۔ابوعلی نے الزام فاش کیا اور خاموشی اختیار کی۔اُسی وقت سے ابوحسن اور اس کے پیروؤں نے صحیح عقائد کا اقرار کیا اور اپنے مخالفین خاص کر معتزلہ کا رد کرنا شروع کر دیا اور اس طرح قدیم لوگوں میں اپنے مخالفوں کا رد کرنا اُن ہی سے شروع ہوا ہے۔

〈سوال〉 معتزلیوں نے اہل حق کو خاموش کرنے کے لئے کون سا حربہ استعمال کیا؟

〈جواب〉 وہ لوگ عقلی دلائل سے اہل حق کو مغلوب کرنے کی کوشش کرنے لگے اور عقلیت پسندی (rationalists) کے سہارے سیدھے سادھے مسلمانوں کو بہکانے لگے۔

〈سوال〉 سیدھے سادے مسلمانوں کو بہکانے اور ورغلانے کے لئے یہ منطق اور فلسفہ انہوں نے کہاں سے حاصل کیا؟

〈جواب〉 عباسی خلافت کا زمانہ تھا کچھ حضرات نے یونانی فلسفے کا عربی زبان میں ترجمہ کیا۔یہ فلسفہ دونوں طبقہ کے لوگوں نے سیکھا۔معتزلی اپنے طور کے عقلی دلائل قائم کر کے سنی مسلمانوں کو مغلوب کرنے کی کوشش کرتے اور ان کی پشت پناہی کچھ حکماء **(philososphers)** بھی کرتے تھے۔سنی مسلمانوں کے علماء بھی معتزلیوں کو مغلوب کرنے لئے یا رد کرنے کے لئے اس علم منطق اور فلسفہ کو علم کلام میں بھرنے لگے اور علوم کے حاصل کرنے میں خوب مشغول ہونے لگے۔

〈سوال〉 کیا مسلمانوں کے محققین نے یونانی فلسفے میں مشغول ہونے کو پسند کیا؟

〈جواب〉 مسلمان محققین **(Research scholars)** نے اس مشغولیت کو پسند نہیں کیا اور وجہ اس کی یہ بتائی کہ یہ عقلی دلائل کتنی ہی چکا چوند کرنے والے کیوں نہ ہوں شکوک وشبہات کے عیب سے پاک نہیں ہوتے ہیں اور جس قدر ان دلائل کو چھانا جاتا ہے اسی قدر ملاوٹ دار اور بدمزہ معلوم ہوتے ہیں۔

〈سوال〉 ان عقلی دلائل کے برعکس مسلمان محققین کس چیز کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں؟

〈جواب〉 عقلی دلائل کے برعکس مسلمان محققین نقلی دلائل کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں کیونکہ انسان کی عقل ونظر ایک خاص حد تک انسان کا ساتھ دیتی ہے۔اور اس حد کو عبور کرنے کے بعد انسان کی عقل و نظر بھٹکنے لگتی ہے۔یونانی فلسفہ چونکہ صرف عقلی دلائل پر ہی منحصر **(dependable)** ہے اس لئے اس عقلی فلسفے کے مقابل اگر کوئی دوسرا عقلی اور نیا فلسفہ پیش کیا جائے تو وہ کیسے اطمعنان دلا سکتا ہے کہ آئندہ چل کر موجودہ مسائل میں غلطی ثابت نہ ہوگی۔

〈سوال〉 تو پھر کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا ہے کہ اسلام عقل کے خلاف ہے؟

〈جواب〉 ہرگز نہیں! اسلام عقل کے خلاف ہرگز نہیں۔البتہ عقل کبھی ٹھوکر کھاتی ہے کیونکہ انسان کا علم محدود ہے اللہ فرماتا ہے وَمَا اُوتِيتُم مِنَ العِلمِ اِلَّا قَلِيلًا۔جس کا مطلب یہ ہے کہ آدم کی اولاد کو ایک نہایت ہی کم درجہ علم عطا کیا گیا ہے۔اس کے برعکس الہامی امور **(Metaphysical laws)** وہم وخیال کی لغزشوں سے پاک ہوتے ہیں جو اس کی خلل اندازی اور عقلی واستدلال کی کمزوریوں سے بھی پاک وصاف ہوتے ہیں۔فلسفی چاہتا ہے کہ اسلامی عقائد کو عقلی طور ثابت نہ کرنے کی شرمندگی مجھے نہ اُٹھانی پڑے۔لہذا شرمندگی سے بچنے کے لئے وہ ان مسائل کو کھینچ تان کرتا ہے تا کہ کمزور تاویلات سے ہی کم از کم ان مسائل کو عقل کے مطابق پیش کرنے میں کامیاب ہو جائے اور الہامی مسائل فلسفی مسائل کی ٹکر سے چکنا چور نہ ہو جائیں۔ایسا کر کے وہ اس کو اسلام کی حمایت اور جہاد اکبر سمجھتے ہیں اور مسلمانوں اور اُن کے پیغمبر اور ان کے خدائے پاک پر احسان سمجھتے ہیں۔اور خیال کرتے ہیں انہوں نے خدا تعالیٰ کی بگڑی بات بنا دی اور اسکی غلطی کی اصلاح کر دی۔معاذ اللہ۔

〈سوال〉 ساری بات تو سمجھ میں آئی لیکن آخر میں **معاذ اللہ** کا کیا مطلب ہے؟

〈جواب〉 **معاذ اللہ** کا مطلب ہے پناہ چاہتا ہوں میں خدا سے یعنی اللہ اس قسم کی باتوں یا سوچ سے ہمیں بچائے۔

〈سوال〉 یونانی فلسفہ سے متاثر ہو کر جو فرقہ پرانے زمانے میں آیا اُس کا کیا نام تھا؟

〈جواب〉 اُس فرقہ کا نام معتزلی تھا۔

...............باقی آئندہ انشاءاللہ...............

☆گذشتہ سے پیوستہ☆

درس مثنوی

پہلا قصہ

’’بادشاہ کا لونڈی پر عاشق ہونا‘‘

قصے کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک بادشاہ تھا جس کو للہ نے دین و دنیا کی نعمتوں سے مالا مال کر دیا تھا۔ ایک دن وہ اپنے خواص کے ساتھ شکار کو نکلا۔ پہاڑوں اور جنگلوں میں شکار کے لئے پھرتا رہا۔ اچانک اس کی نظر ایک خوبصورت لونڈی پر پڑی اور بادشاہ اس لونڈی پر عاشق ہوگیا۔ بادشاہ نے اس لونڈی کو خرید لیا۔ اچانک وہ لونڈی بیمار ہوگئی۔ بادشاہ نے ماہر طبیبوں کو بلایا اور صاف صاف ان سے کہا کہ میری جان اس لونڈی میں ہے۔ اس کے بیمار پڑنے سے میں دکھی اور زخمی ہوں۔ جو میری اس جان یعنی لونڈی کا علاج کرے گا میں اس کو مالا مال کر دوں گا۔ تکبر کی وجہ سے انہوں نے انشاء اللہ بھی نہیں کیا۔ اللہ نے ان طبیبوں کے علاج معالجہ کے باوجود اُن کا عاجز ہونا دکھا دیا۔ جتنا علاج وہ کرتے گئے بیمار کی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی گئی۔ بادشاہ نے جب دیکھا کہ طبیب بے بس ہوگئے تو اللہ کے سامنے خوب گڑگڑایا۔ روتے روتے بادشاہ کو نیند آ گئی۔ اسی نیند میں بادشاہ نے خواب دیکھا کہ ایک بزرگ ظاہر ہوا اور اُس نے بادشاہ سے کہا کہ کل اگر کوئی اجنبی شخص تمہارے پاس آئے تو وہ ایک ماہر طبیب ہوگا اس کو سچا جاننا وہ ایک ماہر طبیب ہوگا۔ نیند سے بیدار ہوکر بادشاہ کھڑکی کھول کر اس انتظار میں بیٹھا رہا کہ کب وہ مرد کامل نمودار ہو جائے۔ کچھ انتظار کرنے کے بعد بادشاہ نے ایک ولی صفت آدمی کو تشریف لاتے ہوئے دیکھا۔ بادشاہ نے آنے والے مہمان کا خود استقبال کیا۔ اور اس کے سامنے ایک فقیر کی طرح با ادب بیٹھ گیا۔ اس کا نورانی چہرہ دیکھ کر بادشاہ نے اس سے کہا کہ تیری ملاقات ہی ہر سوال کا جواب ہے۔ اس کے بعد اس مرد کامل کو لونڈی کے پاس لے گیا اور اس کی حالت دیکھ کر کہا کہ اس سے پہلے جو اس کا علاج کیا گیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ اپنی فراست سے اس مرد خدا نے جان لیا کہ یہ لونڈی دراصل دل کی مریض ہے۔ اس مرد کامل نے بادشاہ سے کہا کہ اگر اجازت ہو تو میں اس لونڈی سے تنہائی میں کچھ باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔ بادشاہ سے اجازت حاصل کر کے تنہائی میں اس کے نبض پر ہاتھ رکھ کر پوچھا کہ تو

اصل میں کس شہر کی رہنے والی ہے اور تمہارے رشتہ دار اور تعلق دار کون ہیں۔ فقیر نے اس سے مختلف شہروں اور لوگوں کے بارے میں پوچھا لیکن اس پوچھ تاچھ کے دوران نہ کسی وقت اس کا چہرہ زرد ہوا اور نہ اس کی نبض پھڑکی۔ دورانِ گفتگو شہر سمرقند کا ذکر آیا تو لونڈی نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے کہنے لگی وہاں ایک تاجر نے مجھے ایک مالدار سنار کو بیچا اور میں اس کے پاس چھ ماہ رہی۔ اور پھر اس نے بھی مجھے بیچا۔ یہ کہتے کہتے اسکی نبض پھڑکی اور چہرہ زرد ہوگیا۔ اس مرد خدا نے اس سنار کا نام اور پتہ معلوم کرنے کے بعد لونڈی سے کہا کہ جا تو تکلیف سے نجات پا گئی۔ میں تمہارا مرض سمجھ گیا۔ اس کے بعد طبیب نے بادشاہ سے کہا کہ ایک قاصد سمرقند روانہ کر وہ وہاں پر جا کر اس سنار کے کام کی تعریف کر کے سونے اور چاندی کی لالچ دے کر کسی طرح اس کو یہاں لائیں۔ وہ نادان بھی لالچ میں آیا اور اپنا شہر اور اولاد چھوڑ کر ان کے ساتھ چل پڑا۔ بادشاہ نے اس کو شاہی زیورات اور اور برتن بنانے کے کام پر لگا دیا۔ حکیم نے بادشاہ سے کہا کہ اس لونڈی کا نکاح سنار کے ساتھ کر دے۔ تاکہ وہ سنار کے ساتھ میل ملاپ رکھنے سے صحت مند ہو جائے کیونکہ اصل میں اس لونڈی کو سنار کے ساتھ عشق تھا اور اسی کی جدائی میں اس کو لاغر کیا تھا دوسری طرف حکیم نے سنار کے لئے ایسی شربت تیار کی کہ صرف چھ ماہ کے دوران وہ نہایت ہی کمزور، بدصورت اور زرد ہوگیا۔ لونڈی چونکہ اس کی خوصورتی پر عاشق تھی۔ لہذا سنار جب اس شربت سے بدصورت بن گیا تو لونڈی کو اس سے نفرت ہوگئی۔ سنار ہلاک ہوا۔ لونڈی پھر صحت مند ہوگئی اور اس کے بعد بادشاہ اس لونڈی سے فائدہ اُٹھانے میں کامیاب ہوگیا۔ یہ ایک حکایت ہے جو مولانا رومیؒ نے مثنوی میں پہلے نمبر پر لکھی ہے۔ حکایت صحیح ہے یا غلط مولانا کو اس سے غرض نہیں مولانا اس کے ذریعے سے ہمیں جو بات سمجھانا چاہتے ہیں وہ دراصل یہ ہے کہ جس طرح بادشاہ لونڈی پر عاشق ہوا۔ اسی طرح ہماری روح جو بادشاہ کی طرح ہے جسم پر عاشق جاتی ہے اور جسم کی مثال لونڈی کی طرح ہے۔ جب تک بادشاہ ناقص حکیموں سے علاج کرواتا رہا لونڈی کی حالت بد سے بدتر ہوگئی۔ یہ مثال دے کر مولانا ہمیں یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ نقلی پیر بھی مریدوں کی صحیح تربیت نہیں کر سکتے ہیں اور ان سے طالبان طریقت کو بجائے فائدہ کے نقصان ہی پہنچتا ہے۔ لیکن جب غیبی طبیب نے جو ماہر تھا لونڈی کا علاج کیا وہ تندرست ہوگئی اسی طرح جب کوئی مرد کامل کسی کی تربیت کرتا ہے تو وہ منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔ شیخ کامل مرید سے دنیا اور اس کی لذات

کی محبت جدا کرتا ہے۔حتیٰ کہ وہ ان لذات کو ترک کر دیتا ہے اور نفسانی امراض سے نجات پاتا ہے۔پس خلاصہ پورے قصے کا یہ ہوا کہ اگر تم نفس کو صاف و پاک بنانا چاہتے ہو تو کسی شیخ کامل کی طرف رجوع کرو اور اس کے ارشادات کے مطابق عمل کرو وہ مناسب طریقے سے تمہاری اصلاح کرے گا۔مولانا رومؒ کے کلام کا بڑا حصہ انہی دو باتوں کے ارد گرد گھومتا ہے ایک توحید دوسرا اس کے حصول کا طریقہ یعنی شیخ کامل کا اتباع۔

اس قصہ میں بڑی سبق آموز باتیں ہیں۔ایک بات یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں معرفت الٰہی حاصل کرنے کے لئے آیا ہے لیکن جس طرح بادشاہ لونڈی پر عاشق ہوا اسی طرح انسان کی روح بدن سے لذت حاصل کرنا چاہتی ہے۔لیکن لونڈی یعنی انسان کا جسم تب تک یہ مصنوعی لذت حاصل نہیں کر پاتا ہے جب تک سونے چاندی اور دیگر مادی اشیاء اس کے قبضے میں نہ آجائیں لیکن ان اشیاء کے حصول کے لئے دنیاوی مال و متاع پر عاشق ہوتا ہے۔اس طرح روح اور بدن مادی اشیاء پر عاشق ہوجاتے ہیں مولاناؒ نے اس بات کو اس خوبصورت شعر سے سمجھایا ہے۔

بہرِ صیدے می شد اُو بر کوہ و دشت ☆ ناگہاں در دامِ عشق اُو صید گشت

(ترجمہ) پہاڑ اور جنگل میں وہ شکار کے لئے پھر رہا تھا اچانک وہ عشق کے جھال میں شکار ہو گیا۔

انسان جب نفسانی خواہشات کو پورا کرنے میں ہی لگ جاتا ہے تو روح کو کوئی سکون نہیں ملتا ہے ۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ انسان اپنی بنیادی اور جائز ضروریات سے بھی صرف نظر کرے۔بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کی ایسی تربیت کرے تاکہ یہ حرص و ہوا سے پاک ہوجائے جس طرح حکیم نے سنار کو بدصورت بنایا اور لونڈی صحت یاب ہوگئی۔اسی طرح پیر کامل دنیا کی بے ثباتی، فانی لذات، اور نفس پروری کے مضر اثرات جب ایک طالبِ صادق اور سالکِ راہِ طریقت کھول دیتا ہے تو طالب ان چیزوں سے متنفر ہو کر اپنے نفس کی اصلاح کرتا ہے اور اپنے نفس کو اللہ کی تابع داری میں لگاتا ہے اور پھر روح ایسی پاک نفس سے لطف اندوز ہوتا ہے۔انسان نفس کی گندگیوں سے پاکی حاصل کرتا ہے اور نفس امارہ نفس مطمئنہ میں تبدیل ہوتا جاتا ہے۔اور پھر یہ نفس مطمئنہ اپنے رب کے پاس چلی جاتی ہے۔اور رب کریم اس سے فرماتا ہے کہ **یا ایتھا النفس المطمعنه ترجعی الیٰ ربک راضیة مرضیه. فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی** ۔جائز طریقے سے لونڈی سے فیض اندوز ہونا غلط نہیں

لیکن لونڈی کے دل سے سنار کی محبت نکالنا شرط اول ہے۔اور لونڈی کے دل سے سنار کی محبت کا نکلنا تب تک ممکن نہیں جب تک اس کو بدصورت بنا کر لونڈی کے سامنے پیش نہ کیا جائے۔اسی طرح مردانِ خدا دنیا کے کمینہ پن کا حال کھول کر طالب حق کو سمجھاتے ہیں۔یہاں تک کہ طالب کے دل سے دنیا کی محبت ختم ہوجاتی ہے اور جسم بھی لونڈی کی محبت سے بے نیاز ہوتا ہے۔اور یہ لونڈی روح کی تابع فرمان بن کر معرفتِ الٰہی حاصل کرنے میں لگ جاتی ہے۔مگر شرط اول رہبر کامل ہے۔

۱؎ بے رفیقے ہر کہ شُد در راہِ عشق ☆ عمر بگذشت و نہ شُد آگاہِ عشق

۲؎ گر ہوائے ایں سفر داری دلا ☆ دامنِ رہبر بگیر و پس بیا

(ترجمہ) ۱؎: بغیر رہبر کے جو شخص بھی عشق کے راستے میں چلا۔عمر اس کی گذر گئی لیکن عشق کے راز سے واقف نہیں ہوا۔

۲؎: اے دل اگر تجھے اس سفر کی تمنا ہے تو شیخ کا دامن پکڑ اور پھر اس راستے کی طرف آجا۔

............باقی آئندہ انشاءاللہ...............

﴿ امین الدین شجاع الدین ندویؒ ﴾

ملنے کے نہیں نایاب ہیں جو

(مولانا) طالب بشیر ندوی ٹنگمرگ بارہمولہ

۷ جون بروز جمعرات صبح ۷ بجکر ۴۰ منٹ پر اپنی دکان میں موبائیل سے عربی کی ایک نظم سن رہا تھا جس کا مطلع یہ شعر تھا ؎

مالی سواک یا خالقی☆حیاتی رضاک یا خالقی

اچانک موبائیل بند ہوگیا دیکھا تو مادرِ علمی دارالعلوم ندوۃ العلماء سے اپنے ایک ساتھی ابرہیم بھائی (بارہمولہ) کا فون آرہا تھا سلام کے بعد جو پہلی بات کانوں سے ٹکرائی وہ تھی ماسٹر جی دارالفانی سے دار البقاء کی جانب کوچ کر گئے یہ سننا تھا کہ زبان پر اناللہ و انّا الیہ راجعون جاری ہوا دوسری جانب ایک مشکل سامنے آگئی وہ سفید داڑھی، سر جھکائے ہوئے انتہائی محبت سے پیش آنے والے ہر وقت کسی سوچ میں ڈوبے ہوئے سفید کپڑوں میں ملبوس جو کپڑے کبھی صاف وشفاف اور کبھی میلے کچیلے رہتے تھے ایک ایسے کمرے میں بیٹھے جہاں کتابیں اور اخبارات بکھرے پڑے ہیں نہ کوئی خادم نہ کوئی رشتہ دار شادی تو ہوئی نہیں رہ بھی رہے تھے تو اپنے گھر بھِونڈی مہاراشٹر سے دور لکھنؤ میں اسی عربی شعر کے مصداق ؎

مالی سواک یا خالقی☆حیاتی رضاک یا خالقی

حال پوچھیں تو زبان پر الحمدللہ بات کریں تو مختصر قلم اُٹھائے تو بڑے بڑے ادیب ان کی تحریر کو سلام پیش کریں مہاراشٹر کے ہونے کے باوجود اردو زبان اور اسلامیات سے گہرا تعلق ہونے کی وجہ سے وہ فکری مسائل کو سہل اور اچھے اردو اسلوب میں پیش کرنے کی موثر صلاحیت رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ بعض نامور اور مشہور ترجمانوں کی ادارت ان کے ذمہ آگئی جن میں ایک دارالعلوم ندوۃ العلماء کا پندرہ روزہ ”تعمیر حیات“ اور دوسرا جمعیت شباب الاسلام کا ترجمان ”بانگ درا“ ہے اگر دیکھا جائے تو مولانا کا قلم اپنے اندر ایک خاص جاذبیت رکھتا ہے صرف ایک مضمون کا عنوان ”کاما، نہ کہ فل سٹاف“ مقرر کر کے لکھتے ہیں:

”زندگی کی پر پیچ راہوں میں نشیب بھی ہیں فراز بھی، یہاں چھاؤں کے ساتھ دھوپ بھی ہے، خوشی کے ساتھ غمی بھی، کامیابی کے ساتھ ناکامی بھی، فتح کے ستھ شکست بھی اور عروج کے ساتھ زوال

بھی ہماری تاریخ میں بھی اس کے صاف اشارے موجود ہیں مثلاً اس میں جنگ بدر کی فتح بھی ہے اور جنگ احد کی پسپائی بھی اسپین کا زوال بھی ہے اور مغلوں کا عروج بھی، منگولوں کی بربریت کی کہانی بھی ہے اور انکا حلقہ بگوش اسلام ہوجانے کی داستان بھی۔

اس لئے دانا و عقلمند وہ ہے جو ناکامی یا شکست کو کاما(**COMMA**) قرار دے، نہ کہ فل سٹاف(**FUL STOP**) کہ اب تو کوشش ہی لا حاصل ہے۔البتہ یہ یاد رہے کہ کاما قرار دینے کا علمی تقاضہ یہ ہے کہ کام ابھی باقی ہے اور سلسلہ ہنوز ناتمام ہے۔اور یہ بھی یاد رہے کہ دنیا دارالاسباب ہے مثلاً غزوہ موتہ میں خالد بن ولیدؓ جیسے جلیل القدر سپہ سالار کو میدان سے اپنی فوج اس لئے ہٹانی پڑی ہے کہ ان کے مقابلہ کی فوج تعداد میں بہت بڑی تھی۔

بہر حال ناکامی یا شکست کو فل سٹاف قرار دینا قنوطیت پسندی ہے اور اس کاما (**COMMA**) سمجھنا رجائیت پسندی ہے۔بظاہر ایک ناکام انسان اگر اپنی ناکامی کو فل سٹاف سمجھ کر کاما(**COMMA**) قرار دے لے تو اس کا یہ طرز عمل اپنے آپ میں اس لحاظ سے کامیاب ہے کہ اس نے پہلے مرحلے میں یاس کو شکست دی اور یاس کو شکست دینا مردانگی بھی ہے اور عین دین داری بھی اس لئے قران کہتا ہے اِنهٗ لا یا یئَسُ مِنْ رَوْحِ اللهِ اِلّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ o یقیناً رب کی رحمت سے ناامید وہی ہوتے ہیں جو کافر ہوتے ہیں (سورہ یوسف آیت نمبر ۸۷) مولانا کے اس طرز تحریر کو دیکھ کر ہر جاننے والا کہہ دے گا کہ امت نے ایک گمنام بڑے صحافی اور دانشور کو کھویا ہے۔مولنا ایک مدت سے ندوۃ العلوم میں انگریزی کے استاد تھے اس لئے ماسٹر جی کے نام سے ہی پہچانے جاتے تھے دوسال قبل ان کی کتاب وفیات ہر مشتمل منظر عام پر آئی جسکا نام پڑھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ مولانا آج ہم سے وہی کہہ رہے ہیں کہ:

ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

لیکن بحیثیت طالبعلم آج ان الفاظ میں مولانا کو خراج عقیدت پیش کرتا ہوں کہ ؎

جانے والے تیری شان میں آخری سلام میرا
کہ دوسروں کے خاطر خود مٹانا تھا کام تیرا

(انا للّٰہ وان الیہ راجعون)

آپکے مکتوبات بنام راہِ نجات

مدیر محترم ماہ نامہ ’’راہِ نجات‘‘

اسلام علیکم : ماہ نامہ راہِ نجات‘‘ کے ابتدائی چار شمارے نظر نواز ہوئے ، بڑی خوشی ہوئی بارہ مولہ سے شائع ہونے والا یہ ماہ نامہ اس لحاظ سے لائق صد ستائش ہے کہ آج کل کے برگشتہ معاشرے میں دین سے متعلق ایسا معلوماتی رسالہ منظر عام پر آنا نہ صرف وقت کی ضرورت ہے، بلکہ اس کے مطالعہ سے اسلام کی حقیقت دین مبین کی فضیلت اور شعائر اسلام کے جملہ گوشوں کی وضاحت کا پورا پورا سامان مہیا ہوگیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ عام مسلمان اس کی تحریرات سے متاثر ہو کر بجا طور پر ایک راسخ العقیدہ مسلمان کے طور پر خود کو سنوار سکتا ہے۔اس نیک کام کی ترویج وتبلیغ کے لئے اللہ آپ کو جزائے خیر دے!!

اللہ نے بعد از ختم المرسلین دعوت تبلیغ دین اور ترویج وتشریح کی ذمہ داری امت کے کاندھوں پر ڈال دی ہے کہ اب کوئی نیا رسول یا نبی آنے والا نہیں۔اس لئے آپ خوش قسمت ہیں کہ توفیق الٰہی نے آپ کے قلم کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے چن لیا ہے۔اس میں قطعاً کوئی مبالغہ نہیں کہ چاروں شماروں کے ورق ورق سے مترشح ہے کہ یہ مانامہ اپنے مواد کے حوالوں سے دین اسلام کا نقیب بن کر عامتہ المسلمین کو صحیح راستے کا سراغ پانے میں کامیاب ہوگا۔اور موجودہ دور میں دین سے دوری کے رجحان کو کم کرنے میں مدد دے گا۔میں سمجھتا ہوں کہ اس مجلّہ کی اشاعت کے پیچھے دراصل منیر صاحب کے والد بزرگوار جناب عاصیؔ غلام نبی کا جذبۂ دین پسندی اور قلم کی جولانی کا بڑا ہاتھ ہے۔ماہنامہ کے پہلے شمارے میں موصوف کے قلم سے نکلنے والے وہ واقعات مجھے بہت پسند آئے جن میں انہوں نے بارہمولہ میں بالخصوص اور وادی کشمیر کے بالعموم تبلیغی جماعت کا تعارف بطریق احسن کیا ہے۔بارہمولہ کے اس جماعت کے اوّلین اکابرین کی کدوکاوش کو جس طرح موصوف نے قلم کی نوک پر لایا ہے اس سے جہاں ہمیں ان اصحاب سے تعارف ہوتا ہے جن کی مساعی جمیلہ سے بلاشبہ بارہمولہ میں دین کو فروغ ملنے کا امکان پیدا ہوا ہے وہیں ہمیں جماعت کے مشن سے بھی کماحقہٗ واقفیت بہم پہنچتی ہے۔مجھے یقین ہے کہ تبلیغی جماعت کے ان اکابرین کا نام بارہمولہ کی تاریخ میں بالاشبہ ’’اوّلون السابقون‘‘ کی صورت میں ہماری تاریخ کا ایک سنہرا باب بن کر زندہ رہے گا۔

ماہ نامہ ’’راہِ نجات‘‘ کی طرز نگارش ان دینی رسائل سے ہٹ کر بہت آسان اور سلیس ہے۔جن

میں عربی اور فارسی کے الفاظ کی بہتات ان علوم سے نابلد حضرات کے لئے ناقابل فہم ہوتی ہے جو عربی اور فارسی سے کماحقہٗ واقفیت نہیں رکھتے۔اس حوالے سے ماہنامہ ’’راہِ نجات‘‘ کا اسلوب تحریر جداگانہ بھی ہے اور دل کو چھو جانے والا بھی۔رسالے کا سرورق بہت ہی دیدہ زیب اور برجستہ ہے موضوعات اور مضامین کی تنظیم عمدہ اور مثالی ہے اس کے لئے میں عاصیؔ غلام نبی اور ان کے خلف رشید میر احمد کو مبارک باد دیتا ہوں۔اللہ کرے یہ مانامہ دن دوگنی اور رات چگنی ترقی کرے۔اور قارئین کی عاقبت کے لئے توشۂ آخرت ثابت ہو۔

مزید برآں حکیم الامت علامہ اقبالؒ (مرید ہندی) کے معلوماتی مقالہ جہاں بصیرت افروز ہے وہیں مولانا رومؒ سے ان کا روحانی تعلق ان کے نظرئے کی اساس کا بھی ترجمان ہے۔

خیر اندیش

خالق پرویزؔ بارہمولہ کشمیر

ضرور حاصل کیجئے!

’’لفظ لفظ خوشبو‘‘

شاعری بذات خود کوئی مذموم شئے نہیں ہے۔بلکہ اس کو اگر علم وادب کی نشونما کے لئے استعمال کیا جائے تو انسانی جذبات واحساسات کو نکھارنے میں بہت مدد ملتی ہے۔انسان کا قلب اس سے تاثر لیتا ہے اور ذہن میں تازگی آتی ہے۔ڈاکٹر فیض احمد فیاضؔ صاحب علم وادب کے متوالے ہیں۔انہوں نے اسی ذوق کو اجاگر کرنے کے لئے ۱۵۰۰ سے زائد اشعار کا ایک مجموعہ ترتیب دیا ہے جو ’’لفظ لفظ خوشبو‘‘ عنوان کے تحت عنقریب منظر عام پر آنے والا ہے۔کلام ۸۰ دینی، سماجی موضوعات پر منتخب اشعار کا مجموعہ ہے جو نامور شعراء کے کلام سے موخوذ ہے اور میزان پبلیکیشن مٹہ مالو سرینگر سے یہ کتاب شائع ہونے والی ہے۔اہل ذوق حضرات نوٹ کریں اور یہ کتاب حاصل کر کے اپنی معلومات میں اضافہ کرنے کی کوشش کریں۔